محمد خاور نوازش *

اردو اور ہندی کی صرف و نحو اور بنیادی ذخیرۂ الفاظ: لسانی وحدت کے پہلو

۱۰۲۱ء سے پنجاب میں محمود غزنوی کی حکومت کا آغاز ہونے[۱] کے ساتھ ہی ہندوؤں اور مسلمانوں میں صحیح معنوں میں تہذیبی میل جول کے ساتھ لسانی اخذ و قبول کا عمل بھی شروع ہو گیا لیکن اس اخذ و قبول کے عمل سے ہم قطعی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ ایک نئی زبان کی بنیاد پڑی۔ زبان پہلے سے موجود تھی، اس نے تاریخی اور تہذیبی صورتِ حال سے اثر قبول کیا۔ یہ اثر اُس زبان کے ارتقا میں عربی فارسی اصوات اور الفاظ کی شمولیت کی صورت میں برسوں بعد واضح ہونا شروع ہوا۔ شاہ جہاں کے دورِ حکومت (۱۶۲۸ء – ۱۶۵۸ء) تک ہندوؤں اور مسلمانوں کا تہذیبی اختلاط لسانی سطح پر کھڑی بولی میں نمایاں ہو چکا تھا۔ دکن میں تو اس کی روایت خاصی قدیم ہے البتہ شمالی ہند میں یہ کھڑی بولی سترھویں صدی میں واضح طور پر بکٹ کہانی میں ادبی اظہار کے وسیلے کی حیثیت میں نمایاں ہوئی۔ یہ اُس دور میں پوری طرح مقامی سنسکرتی اور بدیسی اثرات کو اپنے اندر ضم کر لیتی ہے۔ بکٹ کہانی میں ایک طرف برج بھاشا کے اثرات سب سے نمایاں ہیں[۲] تو دوسری طرف اس میں مستعمل وصل، فلک، ظالم، قیامت، امید، بدن، غلبہ، غم، حاصل اور مطلق ایسے عربی فارسی الفاظ کی بھی طویل فہرست ترتیب دی جا سکتی ہے۔ اُردو اور ہندی میں آوازوں اور لفظیات کی سطح پر جو وحدت نظر آتی ہے

اس کی بڑی وجہ اُس دور کی متذکرہ ہم آہنگی ہے۔ دونوں زبانوں کے غیر معمولی لسانی اشتراک کے حوالے سے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> اُردو کے ایسے الفاظ جو اُردو اور ہندی میں مشترک ہیں تقریباً پچھتر فی صد یعنی اُردو کے سرمائے کا تین چوتھائی حصہ ہوئے۔ دو زبانوں میں لسانی اشتراک کی یہ غیر معمولی مثال ہے۔ اگرچہ یہ بھی صحیح ہے کہ اُردو کا امتیاز ان ایک چوتھائی الفاظ سے قائم ہوتا ہے جو عربی، فارسی اور ترکی کے سرچشمے سے آئے ہیں۔ اسی طرح اُردو کی مخصوص چستی اور کھنک بھی سامی اور ایرانی ماخذ سے آئی ہوئی آوازوں سے پیدا ہوتی ہے، نیز لب و لہجہ اور تذکیر و تانیث کے جزوی اختلافات بھی ہیں، پھر بھی کسی دو زبانوں میں تین چوتھائی الفاظ کا مشترک ہونا، فعلیہ ڈھانچہ کا ایک ہونا، بنیادی لفظیات یعنی اعداد، ضمائر اور حروفِ جار کا ایک ہونا اور عوامی محاوروں اور کہاوتوں کا ایک ہونا لسانی اشتراک کی عجیب و غریب مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی کوئی دوسری زبان ہندی سے اتنی قریب نہیں جتنی اردو ہے، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندی کی سب سے بڑی طاقت اُردو ہے اور اُردو کی سب سے بڑی طاقت ہندی۔[۳]

اُردو اور ہندی کی وحدت کے روشن پہلو مشترک قواعد اور بنیادی ذخیرۂ الفاظ ہیں۔ ماہرینِ لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ زبانیں ایک دوسرے سے الفاظ مستعار لیتی رہتی ہیں اور بسا اوقات اُنھیں مستقل طور پر اپنے اندر ضم بھی کر لیتی ہیں لیکن کبھی بھی کوئی ایک زبان کسی دوسری زبان کا بنیادی قواعدی ڈھانچہ اختیار نہیں کرتی۔ لسانیات کے ایک عالم تھامس جارج ٹکر (Thomas George Tucker) زبان کے قواعدی ڈھانچے کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ...... it is almost unanimously admitted by philologists that, however large a borrowing of foreign vocables may take place, there is no satisfactory evidence that foreign grammar is ever borrowed to any appreciable extent by a truly live and spoken language. The utmost that can be affected grammatically by the influence of one language

upon another is to assist in breaking down the unessential elements of an old system. The language so influencing does not go on to impose its own grammar, or, if it does so, it is only within a narrow social or literary sphere of conscious imitation and artificiality, which leaves little or no trace upon that which we have defined as the real language of a people.[۴]

ترجمہ: اس بات کا ماہرینِ لسانیات متفقہ طور پر اعتراف کرتے ہیں کہ بدیسی مادوں کی بڑی تعداد مستعار لی جاسکتی ہے لیکن کسی حقیقی طور پرزندہ اور بولی جانے والی زبان کے بارے میں ایسا تسلی بخش ثبوت نہیں ملتا جس سے پتا چلے کہ بدیسی قواعد بھی کبھی خاصی حد تک مستعار لیے گئے ہوں۔ قواعدی سطح پر ایک زبان دوسری زبان پر اثر انداز ہو کر زیادہ سے زیادہ پرانے قواعدی نظام کے غیر ضروری عناصر کی توڑ پھوڑ میں معاونت کرسکتی ہے۔ ایسی متاثر کن زبان اپنے قواعد پھر بھی مسلط نہیں کرتی اور اگر ایسا کرتی بھی ہے تو یہ شعوری نقل اور بناوٹ کے محدود سماجی یا ادبی دائرے کے اندر ہوتا ہے اور اِس کا اُس زبان پر جسے ہم لوگوں کی حقیقی زبان قرار دیتے ہیں، بہت معمولی یا بالکل اثر نہیں ہوتا۔

اگر اُردو اور ہندی کا قواعدی ڈھانچہ ایک ہی ہے تو اس کا مطلب مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کردہ اُصول کی روشنی میں یہ بنتا ہے کہ قواعدی اعتبار سے یہ ایک ہی زبان ہے۔ صرف اور نحو کے اعتبار سے دونوں ایک ہی طرح کے اصولوں پر استوار ہیں۔ اُردو اور ہندی کی اصل ایک ہی کھڑی بولی ہے، جس میں تقسیم دخیل الفاظ اور رسم الخط کی بنا پر عمل میں آئی۔ اسی لیے آج اُس تقسیم کو دو سو سال گذرنے کے باوجود بول چال کی اُردو اور ہندی صرفی اور نحوی اعتبار سے متحد الاصل ہیں۔

کسی زبان کے قواعد کو دو بڑی شاخوں صرف اور نحو میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ علمِ صرف (Morphology) میں زبان کی چھوٹی سے چھوٹی بامعنی اکائی کا مطالعہ کیا جاتا ہے جب کہ علمِ نحو (Syntax) میں فقروں اور جملوں میں الفاظ کی ترتیب کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ گویا اول الذکر لفظوں کی

ساخت اور موخر الذکر جملوں کی ساخت سے متعلق علم کا نام ہے۔ دو زبانوں کے باہمی رشتے کی لسانیات کی رُو سے سب سے بڑی دلیل اُن کے بنیادی اور تعمیری الفاظ اور نحوی قاعدے بنتے ہیں۔ اُردو اور ہندی میں صرفی خصوصیات کا کچھ فرق ضرور موجود ہے لیکن وہ بنیادی ذخیرۂ الفاظ میں نہیں بلکہ دخیل الفاظ کی صورت میں واضح ہوتا ہے۔ دونوں کے بنیادی الفاظ مشترک ہیں تاہم جغرافیائی اور تہذیبی اثرات سے کبھی کبھار اُن کے تلفظ میں تھوڑا بہت فرق آجاتا ہے۔ نحوی اعتبار سے اُردو اور ہندی میں کوئی فرق نہیں۔

سب سے پہلے اسم کو لیتے ہیں۔ کسی ایک زبان کے اسماے خاص عموماً دوسری زبان میں تبدیل نہیں ہوتے۔ اسماے خاص اشخاص کے نام، خطابات، القابات یا ملکوں، شہروں اور علاقوں کے نام ہوتے ہیں جب کہ اسماے عام وہ نام ہیں جو ایک ہی قسم کی بہت سی چیزوں کے لیے استعمال ہوں جیسے انسان، درخت، جانور، کاغذ وغیرہ۔ اُردو اور ہندی میں صرف اسماے خاص پر وحدت نظر نہیں آتی جب کہ عام چیزوں کے نام بھی کافی حد تک مشترک ہیں۔ کسی زبان کا بنیادی ذخیرۂ الفاظ انھی عام چیزوں کے ناموں، جسم کے حصوں کے ناموں، بنیادی افعال، ضمائر، اعداد، انسانی رشتوں کے ناموں اور حروف وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اُردو اور ہندی کے اسما میں وحدت کو تین سطحوں 'جنس'، 'تعداد' اور 'حالت' میں دیکھا جاسکتا ہے۔ جنس سے مراد تذکیر و تانیث ہے۔ اس کا قاعدہ اُردو اور ہندی میں یکساں ہے لیکن قاعدے سے ہٹ کر بھی کچھ عمومی صورتیں ملتی ہیں جن کے تحت مذکر اسما کے مونث اور مونث کے مذکر بنائے جاتے ہیں، مثلاً:

- عموماً جن اسما کے آخر میں 'ا' یا 'ہ' آتا ہے وہ مذکر سمجھے جاتے ہیں، حال آنکہ ان دونوں حروف کی آوازیں لازماً تذکیر کی علامت نہیں ہیں۔ اسی طرح جن اسما کے آخر میں 'ی' آئے مونث سمجھے جاتے ہیں، حال آنکہ 'ی' کی آواز بھی لازماً تانیث کی علامت نہیں۔ اردو اور ہندی میں 'ا' اور 'ہ' والے مذکر اسما کو مونث بنانے کا مروجہ طریقہ یہ ہے کہ 'ا' اور 'ہ' کو 'ی' میں تبدیل کر دیا جائے۔ مثلاً لڑکا سے لڑکی، بچہ سے بچی اور گھوڑا سے گھوڑی وغیرہ۔

- مندرجہ بالا بیان سے قطع نظر کچھ مذکر اسما جن کے آخر میں 'ا' یا 'ہ' نہیں بھی آتا لیکن اُن

کی مونث 'ی' کے اضافے سے ہی بنائی جاتی ہے مثلاً کبوتر سے کبوتری اور ہرن سے ہرنی وغیرہ۔

- مذکر اسم کے آخر میں 'یا' کا اضافہ کر دینا یا آخری حرف کو 'یا' میں تبدیل کر دینا جیسے بندر سے بندریا اور کتا سے کتیا وغیرہ۔

- مذکر اسم کے آخر میں 'ن' کا اضافہ یا آخری حرف کو 'ن' میں تبدیل کردینے سے جیسے مالک سے مالکن اور دلھا سے دلھن وغیرہ۔

- مذکر اسم کے آخر میں 'نی' یا 'انی' کا اضافہ کرنے یا آخری حرف کو 'نی' یا 'انی' میں تبدیل کرنے سے جیسے نوکر سے نوکرانی، شیر سے شیرنی وغیرہ۔

- کچھ مذکر اسما کو مونث بنانے کے لیے آخر میں 'ی' یا 'نی' کا اضافہ کیا جاتا ہے لیکن ساتھ ہی دوسرا مصوتہ 'ا' بھی گرا دیا جاتا ہے۔ مثلاً ہاتھی سے ہتھنی، ساجن سے سجنی اور پاگل سے پگلی وغیرہ۔

- تذکیر و تانیث کے قاعدے کی رُو سے مذکر اسم کے آخر میں تبدیلی سے مونث بنتا ہے لیکن کچھ اسما ایسے ہیں جن میں مونث سے بھی مذکر بنایا جاتا ہے۔ یعنی اصلاً اسم مونث ہو لیکن اُسے مذکر بولنے کے لیے آخر میں ایسی تبدیلی کر لی جاتی ہے کہ 'ا' کی آواز آخری ہو، مثلاً بھینس سے بھینسا وغیرہ۔

اسما کی جنس بنانے کے یہ وہ اصول ہیں جو اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں یکساں ہیں۔ علاوہ ازیں دونوں زبانوں میں:

- کچھ ایسے اسما ہیں جن کی جنس تبدیل نہیں ہوتی گویا مستقل حیثیت کے حامل ہیں، مثلاً:

- بھانڈ، باز، جن، کچھوا، خرگوش اور کوا وغیرہ صرف مذکر استعمال ہوتے ہیں ۔

- مینا، سہاگن، بلبل، چھپکلی وغیرہ صرف مونث استعمال ہوتے ہیں۔

- پیشوں کے نام مثلاً سپاہی، فوجی، مزدور وغیرہ مذکر استعمال ہوتے ہیں۔

- زبانوں کے نام مثلاً اُردو، ہندی، عربی، فارسی، پنجابی، سرائیکی، اودھی، بنگالی، فرانسیسی وغیرہ مونث استعمال ہوتے ہیں۔

- پہاڑوں، ستاروں، سیاروں کے نام عموماً مذکر بولے جاتے ہیں مثلاً ہمالیہ، وندھیاچل، قراقرم، سورج، چاند وغیرہ۔ البتہ اُردو میں زمین مونث اور ہندی میں پرتھوی مذکر استعمال ہوتا ہے۔

- دنوں کے نام دونوں زبانوں میں مذکر استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً شنیوار، رویوار، سوموار، منگل، بدھ وغیرہ۔ جمعرات اُردو میں مونث ہے لیکن ہندی میں اس کا متبادل 'گرووار' مذکر آتا ہے۔ مہینوں کے نام بھی دونوں زبانوں میں مذکر آتے ہیں، مثلاً جون، جولائی، اگست، چیت/چیتر، بیساکھ، ساون وغیرہ۔

- اوقات کے نام مثلاً صبح، شام، رات اور موسموں کے نام مثلاً گرمی، سردی، بہار اور برسات دونوں زبانوں میں مونث استعمال ہوتے ہیں۔

- اخباروں، رسالوں، ڈراموں، ناٹکوں، پروگراموں، گیتوں کے نام مذکر بولے جاتے ہیں البتہ فلم مونث استعمال ہوتا ہے۔

- کتابوں کے نام مثلاً گیتا، بائبل، رامائن، مہابھارت، بانگِ درا، اُردو زبان کی تاریخ، ہندی بھاشا و گیان، وغیرہ مونث لکھے جاتے ہیں البتہ قرآن مجید کو مذکر لکھا جاتا ہے۔

- تمام دھاتوں کے نام مثلاً لوہا، سونا، تانبا، پیتل وغیرہ مذکر بولے جاتے ہیں البتہ چاندی مونث استعمال ہوتا ہے۔

اُردو اور ہندی اسما کی جنسی حالتوں میں یکسانیت صرفی وحدت کی پہلی مضبوط دلیل ہے۔ غیر جاندار اور روزمرہ استعمال کی چیزوں کے ناموں کی ایک ایسی طویل فہرست پیش کی جا سکتی ہے جن کی تذکیر و تانیث کا قاعدہ دونوں زبانوں میں ایک ہی ہے۔

اس کے بعد اسموں کی تعداد کے قاعدے اور ان کے لیے مروجہ الفاظ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ اسم عام اگر ایک ہو تو اصطلاحاً واحد اور ایک سے زیادہ ہو تو جمع کہلاتا ہے۔ اُردو اور ہندی میں واحد سے جمع بنانے کا طریقہ یکساں ہے۔

- عموماً 'ا' یا 'ہ' پر ختم ہونے والے لفظوں کا آخری حرف 'ے' سے تبدیل کر کے جمع بنا لی جاتی ہے، مثلاً لڑکا سے لڑکے، گھوڑا سے گھوڑے، مہینہ سے مہینے اور چہرہ سے چہرے وغیرہ۔ اسی طرح جن لفظوں کے آخر میں 'ی' آتا ہے انھیں 'یاں' سے تبدیل کر کے جمع بنائی جاتی ہے مثلاً لڑکی سے لڑکیاں، پتنی سے پتنیاں، خوشی سے خوشیاں، گلی سے گلیاں وغیرہ اور بقیہ الفاظ کے آخر میں 'وں' یا 'یں' کا اضافہ

کر کے جمع بنائی جاتی ہے جیسے شہر سے شہروں، رتن سے رتنوں، شبد سے شبدوں، کتاب سے کتابیں، بات سے باتیں، جانور سے جانوروں وغیرہ۔ ہندی میں جمع بنانے کا قاعدہ یہی رہتا ہے لیکن اردو والوں نے عربی اور فارسی الفاظ کے لیے جمع بنانے کا قاعدہ بھی عربی اور فارسی ہی سے اپنانا شروع کر دیا۔ وہ کتاب کی جمع کتابیں بھی لکھتے ہیں اور کتب بھی۔ اسی طرح وزیر، امیر، غریب، مسکین، ذہن، قوت کی جمع وزیروں، امیروں، غریبوں، مسکینوں، ذہنوں، قوتوں بھی لکھتے ہیں اور وزرا، امرا، غربا، مساکین، اذہان، قوا (قویٰ) بھی لکھتے ہیں۔ آزادؔ ایسے انشا پردازوں نے اس قاعدے کو زیادہ رواج دیا۔ سرسید احمد خاں جمع بنانے کے اس قاعدے کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کرتے اور اپنی تحریروں میں جمع بنانے کا مقامی ہندی انداز ہی اختیار کرتے۔ آج بھی اُردو میں جمع بنانے کے یہ دونوں قاعدے مستعمل ہیں لیکن زیادہ مقبول قاعدہ وہی ہے جو اُردو اور ہندی میں مشترک ہے۔

- اشیا کی معین تعداد کے لیے اُردو اور ہندی میں اعدادِ ترتیبی مشترک ہیں جنھیں ایک، دو، تین، دس، بیس، تیس، سو، ہزار، لاکھ، کروڑ لکھا جاتا ہے۔ ہزار کا لفظ ہندوستان میں مسلمانوں کے دورِ حکومت میں عام ہوا اس سے پہلے 'دش شت' یعنی دس سو بولا جاتا تھا۔ باقی اعدادِ ترتیبی سنسکرت الاصل ہیں اور اُردو ہندی نے پراکرتوں سے لیے ہیں۔ اعدادِ ترتیبی کے بعد اعدادِ توصیفی یعنی پہلا، دوسرا، تیسرا، دسواں، بیسواں، تیسواں، سوواں، ہزارواں اُردو اور ہندی دونوں میں مستعمل ہیں البتہ اُردو میں فارسی کے اثرات سے توصیفی اعداد کو اول، دوم، سوم، چہارم بھی لکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ عددِ مکسور جن سے عددِ صحیح کا کوئی حصہ بتایا جاتا ہے بھی اُردو اور ہندی میں مشترک ہیں۔ مثلاً پاؤ، آدھ، تھائی (ایک تہائی)، سوا، ڈیڑھ، ڈھائی/اڑھائی، ساڑھے، پونے۔ یہ اعداد بھی سنسکرت الاصل ہیں۔ تعدادِ اضافی میں ایک سے زیادہ تعداد بتانے کے لیے دونوں زبانوں میں دوگنا، تگنا، چوگنا، سو گنا وغیرہ بولا جاتا ہے۔ تول کے لیے، سیر، کلو، دھڑی، پنسیری، من، ٹن اور ناپ کے لیے انچ، گرہ، گز، میٹر، قدم، میل، صدی دونوں میں مستعمل ہیں۔

- اشیا کی غیر معین تعداد کے لیے اُردو اور ہندی دونوں میں بہت سے، تھوڑا سا، کئی، زیادہ سے زیادہ، کم سے کم، سیکڑوں اور لاکھوں وغیرہ ایسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

اُردو اور ہندی کی وحدت کی ایک اور جہت اسم کی مختلف حالتیں ہیں۔ ایسی تصریفی تبدیلی جو کسی اسم میں فعل سے رشتے کی بنا پر پائی جائے اسم کی حالت کہلاتی ہے۔ اسم کی حالتوں میں عموماً فاعلی حالت اور مفعولی حالت کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے بلکہ کچھ ماہرینِ لسانیات کے خیال میں اُردو میں اسم کی حالتیں صرف یہی دو ہیں۔ ڈاکٹر اقتدار حسین خاں لکھتے ہیں :

> روایتی قواعد میں اُردو اور انگریزی میں جو حالت کی قسمیں بتائی گئی ہیں اس میں بہت مبالغہ ہے۔ دراصل اُردو کی قواعد انگریزی کی قواعد کی تقلید میں لکھی گئی ہیں۔ اور انگریزی میں جو قواعد لکھی گئی ہیں وہ لاطینی زبان کی تقلید میں لکھی گئی ہیں۔ لاطینی میں اس کی آٹھ حالتیں ہیں جو واقعی نوعیت میں تصریفی ہیں۔ لیکن اُردو اور انگریزی میں صرف دو حالتیں ہیں: فاعلی (nominative) اور غیر فاعلی (oblique) حالتیں۔[۵]

- مثال کے طور پر ایک جملہ 'عامر نے کتاب پڑھی'۔ اس میں 'عامر' (جو کام کر رہا ہے) اسم کی فاعلی حالت ہے اور 'کتاب' (جس پر کام ہو رہا ہے) مفعولی حالت ہے۔ اُردو اور ہندی میں اسم کی ان دونوں حالتوں کے اظہار کا انداز بالکل ایک سا ہے۔ فاعلی حالت کے لیے 'نے' اور غیر فاعلی حالت کے لیے 'کی'، 'کے' اور 'کو' وغیرہ استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً اُردو کا جملہ ''احمد نے ساری زندگی علی کی حفاظت کی'' ہندی میں ایک لفظ کے فرق کے ساتھ یہ ہوگا ''احمد نے ساری جندگی (زندگی) علی کی رکشا کی''۔ دونوں جملوں میں اسم کی فاعلی حالت 'احمد' اور اسم کی مفعولی حالت 'علی' کا اظہار بالکل ایک ہی طرح ہوا ہے۔

- اسم کی تیسری حالت کو اضافی رمضافی کہا جاتا ہے جس میں کسی ایک اسم کا دوسرے اسم سے تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً ''عامر کی کتاب کہاں ہے؟'' اس جملے میں بنیادی حیثیت کتاب کی ہے، عامر صرف پہچان کے طور پر آیا ہے اس لیے 'کتاب' مضاف ہے اور جس سے اُس کا تعلق یا پہچان ظاہر کی گئی ہے یعنی 'عامر' وہ مضاف الیہ ہے۔ اسم اپنی اضافی حالت میں اُردو اور ہندی دونوں میں ایک ہی طرح استعمال ہوتے ہیں۔ اُردو میں اضافت کے ساتھ بھی اس کا استعمال عام ہے۔ دی گئی مثال اس حالت میں یوں ہوگی 'کتابِ عامر'۔ مولوی عبد الحق کا خیال ہے کہ سنسکرت میں اسم کی یہ مختلف حالتیں (فاعلی، مفعولی، اضافی وغیرہ) صرف حرفِ آخر کے تغیر سے بنتی ہیں جو اکثر قدیم زبانوں میں پایا جاتا

ہے اور ہندی اُردو میں الگ حروف بڑھانے سے بنتی ہیں اور تمام جدید زبانوں کا میلان اسی طرح ہے۔[۶] سنسکرت کا یہ اصول گو کہ ہندوستان کی ترقی یافتہ زبانوں جیسے اُردو اور ہندی وغیرہ میں زندہ نہیں رہا لیکن کچھ مقامی زبانوں میں آج تک موجود ہے مثلا ملتان[پاکستان] کی سرائیکی زبان میں جب 'پانی پیتم' (میں نے پانی پیا) یا 'لاہور گیئم' (میں لاہور گیا) بولا جاتا ہے تو اس میں حرفِ آخر 'م' اسم کی فاعلی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔

- اسم کی ندائی حالت بھی اُردو اور ہندی میں یکساں ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً ''عامر ادھر آؤ'' یا ''ارے صاحب! ادھر آیئے'' یا ''بے او! اِدھر آ'' میں اسم 'عامر'، 'صاحب' اور 'او' ندائی حالت میں استعمال ہوئے ہیں۔

معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اسم کی کچھ اور حالتیں بھی ہیں جیسے خبری حالت، طوری حالت، انتقالی حالت اور ظرفی حالت وغیرہ لیکن ماہرینِ لسانیات زبانوں کے تقابلی مطالعے میں قواعدی سطح پر اسم کی فاعلی اور مفعولی حالت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اُردو اور ہندی میں اسم کی حالتوں کا اشتراک ان کی قواعدی وحدت کا نمایاں ثبوت ہے۔

صرفی خصوصیات میں اب اسمِ صفت کو لیتے ہیں۔ یہ کسی اسم کی مخصوص کیفیت، کمیت یا حالت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا استعمال اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں یکساں طور پر ہوتا ہے۔ مثلاً ان دو جملوں ''یہ عمدہ کتاب ہے'' اور ''وہ سندر نظارہ (نجارہ) ہے'' میں کتاب کی خاصیت 'عمدہ' اور نظارہ کی خاصیت 'سندر' صفات ہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا خیال ہے کہ بہت سے اسم اور صفت ہم نے عربی فارسی سے لیے ہیں لیکن اردو فعل کا ہمارا سرمایہ سارا کا سارا مشترک ہے۔[۷] غور کیا جائے تو یہ بات صرف فعل کی حد تک ہی نہیں بلکہ اردو اور ہندی کے اسمائے صفات کے حوالے سے بھی بڑی حد تک درست ہے۔ اسمائے صفات کا بہت سا سرمایہ اردو اور ہندی میں مشترک ہے۔ صفت کو مختلف اقسام کے حوالے سے سامنے رکھنے سے یہ واضح ہوسکیں گے۔ صفت کی اقسام ذاتی، نسبتی، عددی، مقداری اور ضمیری ہیں۔

- ذاتی صفت کے بیان کے لیے اُردو کے پاس جو الفاظ موجود ہیں اُن میں کافی تعداد عربی

اور فارسی الاصل الفاظ کی ہے۔حسین،جمیل،عمدہ،خوبصورت،خوش اخلاق،کریم،فضول،فراخ، بیزار اور پلید ایسے سیکڑوں اسماے صفات یقیناً اُردو میں ہی زیادہ استعمال ہوتے ہیں لیکن ان کے ساتھ ایسے الفاظ کی بھی کمی نہیں جو اُردو اور ہندی میں ذاتی صفات بیان کرنے کے لیے مشترکہ طور پر مستعمل ہیں جیسے، ٹھوس، گمبھیر/ گھمبیر، ڈھیلا، چست، ٹھنڈا، کھوکھلا، کھرا، کھوٹا، کمزور، نرم، سیدھا، ٹیڑھا، ترچھا، پیارا، چھوٹا، بڑا وغیرہ۔

-نسبتی صفات میں کسی ایک شے کی دوسری سے نسبت یا لگاؤ ظاہر ہوتا ہے۔ عام طور پر اسما کے آخر میں یاے معروف بڑھانے سے یا آخری حرف کو 'وی' میں بدل کر یہ اسماے صفات بنتے ہیں جیسے کہ دہلوی، پنجابی، پنچائتی، گپی وغیرہ، لیکن اس عام قاعدے سے ہٹ کر ہندی میں اسما کے ساتھ لاحقہ 'ک' لگا کر بھی ایسے اسما بنائے جاتے ہیں جیسے اتہاسک، ویدک، لیکھک، اچھک، ادھنک اور ادھیا پک وغیرہ۔نسبتی صفات بنانے کا پہلا قاعدہ اُردو اور ہندی میں مشترک ہے۔ چند ہندی الفاظ کے ساتھ 'ی' کے اضافے سے نسبتی صفات کی مثالیں یہ ہیں: اَوِوتی، ادھیکاری، اوو یگی، سودیشی، پداتی، پدماوتی، پرہاری، پرووِرتی وغیرہ۔

- صفاتِ عددی جو کسی چیز کی تعداد کو ظاہر کرتی ہیں اور صفاتِ مقداری کو کسی چیز کی مقدار یا کمیت کو ظاہر کرتی ہیں اُردو اور ہندی میں مکمل طور پر یکساں ہیں۔ مثلاً پہلا پیار، چار وید، پانچ ارکان، تیرھواں رتن اور ڈھائی سیر لڈو، دومن آٹا، پانچ صدیاں، چار گرہ کپڑا، تین گز بوسکی وغیرہ۔

-ضمیریں جب اسماے صفات بن جائیں تو انھیں ضمیری صفات کہا جاتا ہے مثلاً 'اُسی زبان سے چاٹو'، 'یہ منہ اور مسور کی دال'، 'کون ایسے بولا' اور 'جو بات کی' میں اُسی، یہ، جو، کون ضمیری صفات کی کچھ مثالیں ہیں۔ضمیری صفات کا یہ استعمال اُردو اور ہندی میں مشترک ہے۔ اُردو میں فارسی الاصل الفاظ اور ہندی میں سنسکرت الاصل الفاظ سے بنائے گئے اسماے صفات کی تعداد کافی زیادہ ہے لیکن ایسے الفاظ سے جو دونوں زبانوں کا مشترک ذخیرہ ہیں، بنائے گئے اسماے صفات، بھی بڑی تعداد میں ہیں اور دونوں جدید زبانوں کی وحدانی خصوصیات کا اظہار بنتے ہیں۔

اسم اور اسمِ صفت کے بعد فعل کو کسی جملے کی جان سمجھا جاتا ہے۔فعل سے کسی کام کا ہونا یا

کرنا ظاہر ہوتا ہے مثلاً 'اُس نے لکھا'، 'وہ اٹھا' اور 'میں نے کھایا' میں 'لکھنا'، 'اٹھنا' اور 'کھانا' افعال ہیں۔ افعال کو زبان کی ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا ہے۔ ان کی کئی اقسام ہیں۔ ایسا فعل جس کا تعلق براہِ راست فاعل سے ہو جیسے 'عامر بولا' میں فعل یعنی 'بولنا' کا تعلق فاعل یعنی 'عامر' سے ہے، کو فعل لازم کہتے ہیں، ایسا فعل جس کا تعلق فاعل اور مفعول دونوں سے قائم ہو جیسے کہ 'عامر نے پانی پیا' میں فعل یعنی 'پینا' کا تعلق فاعل یعنی 'عامر' اور مفعول یعنی 'پانی' دونوں سے ہے، کو فعل متعدی کہتے ہیں۔ ان بنیادی اقسام کے افعال اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں مشترک ہیں اور ان کا استعمال بھی ایک ہی انداز میں ہوتا ہے۔ مثلاً اُردو کا جملہ 'مجھے بولنے کا اختیار دیا گیا ہے' اور ہندی کا جملہ 'مجھے بولنے کا ادھیکار دیا گیا ہے' میں 'دینا' اصل فعل اور 'جانا' [ماضی صیغہ = گیا] امدادی فعل مشترک ہے۔ صرف ایک لفظ کا فرق ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> اُن ہزاروں افعال کو دیکھ کر جو ہندی اور اُردو میں یکساں طور پر استعمال ہوتے ہیں، یہ ایمان لانا پڑتا ہے کہ ہندی اور اُردو دو جڑواں بہنیں ہیں جو آزادانہ طور پر ارتقا پذیر ہیں، لیکن دونوں کی ریڑھ کی ہڈی غیر مرئی طور پر ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہے۔[۸]

- اُردو اور ہندی کے مشترک افعال میں کھانا، پینا، سونا، آنا، جانا، رونا، دھونا، گانا، رہنا، اٹھنا، بیٹھنا، لینا، دینا، گرنا، جڑنا، ہٹنا، مرنا، جینا، بڑھنا، چڑھنا، سننا، لڑنا، سینا، پڑھنا، لکھنا وغیرہ ایسے بیسیوں افعال کی فہرست ترتیب دی جاسکتی ہے۔

- اُردو اور ہندی کے مرکب افعال بھی جن کی حیثیت محاوروں کی ہے دونوں زبانوں میں یکساں طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مرکب افعال عموماً دو طرح سے بنتے ہیں: ایک اصل فعل کے ساتھ امدادی فعل کے استعمال سے اور دوسرے اصل فعل کو اسم یا اسمِ صفت کے ساتھ ملاکر استعمال کرنے سے۔ دونوں طریقوں سے بننے والے مرکب افعال کی حیثیت محاورے کی بھی ہوتی ہے۔ اُردو اور ہندی میں متعدد مرکب افعال مشترک ہیں۔ اصل فعل کے ساتھ امدادی فعل کے استعمال سے بننے والے مشترک مرکب افعال کی چند مثالیں دیکھیے: توڑ دینا، موڑ لینا، جوڑ لینا، کھاجانا، پی جانا، رولینا، دھولینا، مار دینا، گر پڑنا، پڑھ لینا، چڑھ جانا، کھو جانا، گھس جانا، ڈر جانا وغیرہ۔ اسی طرح فعل کے اسم یا اسمِ صفت

کے ساتھ استعمال سے بننے والے مرکب افعال کی چند مثالیں ملاحظہ کریں: بات بنانا، بات کاٹنا، بات ٹالنا، بات پوچھنا، ٹھکانے لگانا، ٹھوکر مارنا، ٹھوکر کھانا، ٹھوکر لگانا، دل لگانا، دل دینا، کام کرنا، کام بنانا، کام بگاڑنا، کام پڑنا، کام ہونا، کان دھرنا، کان لگانا، کان پکڑنا، کان کھڑے ہونا، منہ بنانا، منہ پھیرنا، منہ مارنا، منہ توڑنا، کھرا ہونا، چست ہونا، ڈھیلا پڑنا، کمزور ہونا وغیرہ۔

- کچھ مفرد اور مرکب افعال ایسے بھی ہیں جو دراصل عربی اور فارسی اسم یا اسمِ صفت کو 'ہندیا' کر یا ہندی مصادر کے ساتھ استعمال کرکے بنائے گئے ہیں اور اُردو اور ہندی میں یکساں طور پر مستعمل ہیں جیسے کہ فرمانا، شرمانا، دفنانا، ستانا، خرچنا، بخشنا، آزمانا اور بدلا دینا، انتقام لینا، رنگ جانا، گذرجانا، فریب دینا، فریب کھانا، طبیعت بگڑنا، طبیعت مچلنا، قسم دینا، قسم کھانا، قسم اُٹھانا، باز آنا، باز رکھنا، پیش آنا، شروع کرنا، علاج کرنا، یقین کرنا، جمع کرنا، مشہور کرنا، روشن کرنا وغیرہ۔

- ہندی الاصل الفاظ کے ساتھ بھی سادہ مصدر لگا کر کچھ ایسے افعال بنائے جاتے ہیں جو دونوں زبانوں میں یکساں طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے کہ رکھوالی کرنا، ادھار دینا، جھوٹ بولنا، پوجا کرنا، چھلانگ مارنا، جوت جگانا وغیرہ۔

اُردو اور ہندی کی وحدت کا اظہار مشترک ضمیروں میں بھی ہوتا ہے۔ ضمیر سے مراد ایسے الفاظ ہیں جو بجائے اسم کے استعمال ہوں۔ عبارت میں جو اسم پہلے آچکے ہوں انھیں بار بار دہرانے کے بجائے ضمیر سے کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً دو جملوں ''علی نے احمد کو مارا اور اُسے کمرے میں بند کر دیا'' اور ''مجھے اپنے بیٹے سے پیار ہے اور میں اُس کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں'' میں 'اُسے'، 'مجھے'، 'میں' اور 'اُس' ضمائر ہیں۔ اسی طرح ان ہندی جملوں 'راہل نے جس کے پریم میں جان دی اُسے کھبر (خبر) بھی نہیں' اور 'آدِتی نے جیون بھر اپنے پتا کے نیم نہ توڑے کیونکہ اُسے وہ سچے دکھائی دیئے' میں 'جس'، 'اُسے'، اور 'وہ' ضمیریں ہیں۔ اُردو اور ہندی میں استعمال کے وقت کچھ ضمیروں میں صوتی تبدیلیاں آ جاتی ہیں لیکن ان کے معنی تبدیل نہیں ہوتے۔ ضمیروں کی مختلف اقسام میں شخصی، موصولہ، استفہامیہ اور تنکیر وغیرہ شامل ہیں۔

- اُردو اور ہندی کی مشترک شخصی ضمیروں کی تین اقسام متکلم، مخاطب اور غائب ہیں جن کی

واحد اور جمع صورتوں میں: میں، ہم، مجھے، مجھ کو، ہمیں، ہم کو، میرا، ہمارا، تو، تم، تجھے، تجھ کو، تمھیں، تم کو، تیرا، تمھارا، وہ ،اُسے ، اُس کو، انھیں، اُن کو، اُس کا ، اُن کا، اُس نے، انھوں نے ،اُس سے ، اُن سے، تم سے، مجھ سے، اپنا، اپنی، اپنے، اپنوں، آپ، تیرے سے، میرے سے،اپنے سے، ہم سے وغیرہ شامل ہیں۔

- موصولہ ضمیروں کی اُردو اور ہندی میں مشترک مثالیں جو، جس نے، جنھوں نے، جس کو، جسے، جن کو، جس کا، جس کے، جن کا، جن کے، جن کی، جون سا، جون سی، جون سے وغیرہ شامل ہیں۔

- کچھ استفہامیہ ضمیریں بھی اُردو اور ہندی میں یکساں طور پر استعمال ہوتی ہیں جن میں کون، کس نے، کنھوں نے، کسے، کس کو، کن کو، کن کے، کس کے، کس کا، کن کا، کس کس، کن کن ، کیا کیا، کون کون وغیرہ شامل ہیں۔

-ضمیر تنکیر میں کوئی، کچھ، کسی، کوئی کوئی، کچھ کچھ، کسی کسی شامل ہیں اور یہ بھی دوسری ضمیروں کی طرح اُردو اور ہندی میں قواعدی یکسانیت کی دلیل ہیں۔

ضمیروں کے بعد حروف کو لیتے ہیں۔ یہ ایسے مستقل الفاظ ہوتے ہیں جو تنہا لکھنے یا بولنے سے کوئی معنی نہیں دیتے لیکن ان کی مدد سے مختلف کلمے اور جملے بامعنی صورت اختیار کرتے ہیں، مثلاً 'نے'، 'کو' اور 'سے' وغیرہ۔ ان کی مدد کے بغیر جملہ بامعنی نہیں ہوتا جیسے ''اسلم نے اکرم کو مارا'' اور ''راہل نے اپنے پتا سے کہا'' میں سے اگر 'نے'، 'کو' اور 'سے' نکال دیا جائے تو یہ جملے ''اسلم اکرم مارا'' اور ''راہل اپنے پتا کہا'' رہ جائیں گے جن کا کوئی واضح مفہوم نہیں ہوگا۔ اُردو اور ہندی میں عموماً حروف کا استعمال یکساں طور پر ہوتا ہے۔ حروف کی اقسام میں حروفِ ربط، حروفِ عطف، حروفِ تخصیص اور حروفِ فجائیہ اور ندائیہ وغیرہ شامل ہیں۔

- حروفِ ربط دولفظوں میں رابطہ ظاہر کرتے ہیں مثلاً نے، کو، کا، کے، کی، سے، میں، تک، پر، تئیں، اوپر، نیچے، آگے، پیچھے، سامنے، پاس، سامنے وغیرہ۔ ان میں نسبتاً مختصر حروف اپنی اصل میں سنسکرت کے مکمل الفاظ تھے۔ زمانے کی گذران اور تصرفات سے پراکرتوں میں کچھ فرق کے ساتھ بولے جاتے رہے اور پھر جدید زبانوں بالخصوص اُردواور ہندی کا حصہ بھی بنے۔

- حروفِ عطف پر فارسی کے اثرات زیادہ نظر آتے ہیں لیکن ان کا استعمال ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں ہو رہا ہے۔ یہ دراصل دولفظوں کو ایک حالت میں لانے کا کام انجام دیتے ہیں۔ ان میں اور، یا، کہ، خواہ، چاہے، نہ، پر، لیکن، بلکہ، مگر، اگر، جو، ورنہ، سو، کیونکہ، اس لیے وغیرہ شامل ہیں۔

- حروفِ تخصیص کو حروفِ حصریہ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ کسی اسم یا فعل کے ساتھ آتے ہیں تو اُس کا احاطہ یا گھیراؤ کر کے خصوصیت پیدا کرتے ہیں۔ ان میں ہی، تو، بھی اور ہر وغیرہ شامل ہیں۔ حروفِ تخصیص بسا اوقات کسی اسم یا ضمیر کے ساتھ مل کر مرکب الفاظ بھی بناتے ہیں جیسے تجھ+ہی سے تجھی، مجھ+ہی سے مجھی، اسی طرح تمھی، وہی، جبھی، ابھی، تبھی، سبھی، جونہی، یونہی، یہی وغیرہ۔ حروف تخصیص کا استعمال بھی دونوں زبانوں میں یکساں طور پر ہوتا ہے۔

- حروفِ فجائیہ کا استعمال کسی جذبے کے اظہار کے لیے اور حروفِ ندائیہ کا استعمال مخاطب کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ ان دونوں اقسام کے اُردو اور ہندی مشترک حروف میں اوہو، ہائے ہائے، آہا، واہ واہ، اُف، افسوس، توبہ توبہ، چھی چھی، خبردار، دُر، دُر، اے، ارے، اوئے، ابے، او، بے او، اجی وغیرہ شامل ہیں۔

....

نحوی وحدت پر نظر ڈالنے سے پہلے اُردو اور ہندی کی لفظیات کی بات ہو جائے۔ بنیادی لفظیات کی ایک طویل فہرست اُردو اور ہندی کا مشترک سرمایہ ہے۔ سب سے پہلے تمیزی الفاظ کی مختلف اقسام دیکھیے جو افعال یا اسماے صفات کے ساتھ آنے سے اُن کی حالت تبدیل کر دیتے ہیں۔

- کچھ الفاظ سے زمانہ یا وقت ظاہر کیا جاتا ہے۔ ان میں اب، جب، کب، تب اور ان کی تصریفی صورتیں ابھی، جبھی، کبھی، تبھی، آج، کل، پرسوں، ترسوں، پہلے، بعد، جلد ہی، پھر وغیرہ شامل ہیں۔

- کچھ الفاظ مقام اور سمت کے اظہار کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسے کہ یہاں، وہاں، جہاں، کہاں، پرے، پاس، آس پاس، اوپر نیچے، اندر، کدھر، جدھر، اِدھر، اُدھر وغیرہ۔

- کچھ الفاظ طور یا طریقے کو ظاہر کرتے ہیں مثلاً ایسے، جیسے، ویسے، تیسے، کیسے، ہولے، دھیرے، جھٹ، جھٹ پٹ، تھوڑا، زیادہ، یوں، جوں، کیوں، مطلب، یعنی وغیرہ۔

- کچھ الفاظ تعداد یا مقدار ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسے کہ اتنا، جتنا، کتنا، ایک بار، دو بار، بار بار وغیرہ۔

- ان کے علاوہ مختصر جواب کے لیے کچھ الفاظ جیسے کہ جی، نہیں، اچھا، تو، پھر، شاید، جی ہاں، جی نہیں وغیرہ اور جب کبھی، جہاں کہیں، جہاں جہاں، وہاں وہاں، کبھی نہ کبھی، نت نت، گھڑی گھڑی، جوں جوں وغیرہ ایسے کچھ مرکب تمیزی الفاظ بھی اُردو اور ہندی کا مشترک سرمایہ ہیں۔

اُردو اور ہندی کی بنیادی لفظیات کا مندرجہ ذیل مشترک ذخیرہ بھی ملاحظہ کریں:

- رشتوں کے نام: ماں، باپ، بہن، بھائی، بیٹا، بیٹی، تایا، تائی، پھوپھی، پھوپھا، ماما، مامی، دادا، دادی، نانا، نانی، بھابھی، سالا، دیور، دیورانی، جیٹھ، جیٹھانی، سمدھی، سمدھن وغیرہ۔

- اعضاے جسمانی کے نام: سر، ماتھا، آنکھ، ناک، کان، منہ، ہونٹ، گال، گردن، ہاتھ، پاؤں، پیٹ، دل، جگر، چھاتی، گھٹنا، ایڑی، بانہیں، ٹانگیں، ناخن، بال، انگلی، انگوٹھا، ٹھوڑی، کندھا، ران، پنڈلی، کمر، پیٹھ، گردہ وغیرہ۔

- بعض آوازوں کے مخصوص الفاظ: کھسر پھسر، میاؤں میاؤں، کائیں کائیں، چوں چوں، دھاڑ دھاڑ، میں میں، بجلی کا کڑکنا، مینڈک کا ٹرانا، کتے کا بھونکنا وغیرہ۔

- جانوروں کے نام: گائے، بھینس، بکری، کتا، بلی، مرغی، کوا، اونٹ، شیر، ہاتھی، گھوڑا، کوئل، چڑیا، طوطا، مینڈک، بندر، مور، مکھی، مچھر، سانڈ، گدھا، بچھڑا، پلا، مینا، چوزہ، سنپولیا وغیرہ۔

- کچھ جگہوں کے نام: گھر، محل، کٹیا، گھونسلا، تھانہ، جیل، قید خانہ، جھونپڑی، چھاؤنی، چوکی، سکول، کالج، یونی ورسٹی، خانقاہ، درگاہ، سڑک، گلی، اڈہ، چکلہ، ایئرپورٹ، ریلوے اسٹیشن وغیرہ۔

- کھانے، مٹھائیوں، پھلوں، سبزیوں، مصالحوں (مسالوں) کے نام: بریانی، پلاؤ، کوفتہ، دال، نہاری، شوربا، چاول، روٹی، نان، حلوہ، کھیر، برفی، گلاب جامن، جلیبی، لڈو، فالودہ، بادام، اخروٹ، انار، انگور، کیلا، سیب، بھنڈی، گاجر، مولی، آلو، پیاز، ادرک، لہسن، ٹماٹر، نمک، مرچ، ہلدی، دھنیا، پودینہ وغیرہ۔

- بہت سی گالیاں جو قدرتی طور پر منہ سے نکلتی ہیں یا شعوری طور پر دی جاتی ہیں اُردو اور ہندی بول چال میں مشترک ہیں مثلاً سالا، حرامی، کمینا، حرام خور وغیرہ۔

اُردو اور ہندی کے مشترک مشتق الفاظ میں ایسے فعلی مادوں کی تعداد کافی زیادہ ملتی ہے جو اسماے کیفیت کا کام بھی دیتے ہیں مثلاً آ، جا، کھا، پی، اُٹھ، بیٹھ، لکھ، پڑھ ،ہار، جیت، روک، ٹوک، لوٹ، مار، رُک، دوڑ، مل، اچھل، کود، اتر، بیٹھ، کھڑ، مر، لکھ، پڑھ وغیرہ۔ اسی طرح کچھ فعلی مادوں کے آخر میں مختلف حروف مثلاً ا، ن، اَن، ئی، اَئی، وٹ، ہٹ، اَٹ وغیرہ لگا کر الفاظ بنانے کا رجحان بھی دونوں زبانوں میں پایا جاتا ہے، مثلاً روکا، ٹوکا، پکڑا، جھگڑا، پیٹا، مارا وغیرہ — چلن، ملن، جلن، مرن، جھکڑن وغیرہ — اُٹھان، لگان، اُڑان، گران وغیرہ — سنائی، دکھائی، گرائی، لڑائی، دبائی، چرائی، جمائی وغیرہ — گھبراہٹ، لگاوٹ، بناوٹ، رکاوٹ، لکھاوٹ، ملاوٹ، سجاوٹ، جگمگاہٹ وغیرہ۔

اس کے علاوہ ایسے مرکب الفاظ/ تراکیب بھی دونوں زبانوں میں مستعمل ہیں جو خالص ہندی لفظوں کے آپسی ملاپ اور خالص عربی اور فارسی لفظوں کے آپسی ملاپ سے بنے ہوں۔ مندرجہ ذیل چند مثالیں دیکھیے جن میں مرکبات ایک ایسی اور دو مختلف زبانوں کے لفظوں سے مل کر بنے ہوں:

- ہندی الفاظ کے باہمی ملاپ سے بننے والے مرکبات جیسے کہ: رام کہانی، باگ ڈور، من چلا، چاندنی رات، چڑیا گھر، اندھیر کھاتا، آپ بیتی، بن بلائے، جنم دن، سہاگ رات، پن چکی، چاند گہن، سورج مکھی، دھوبی گھاٹ، تاک جھانک، ٹوٹ پھوٹ، کھیل کود، کھینچا تانی، ان پڑھ، چھین چھپیلا، پن گھٹ، پھلنا پھولنا، اٹھنا بیٹھنا، سماج سیوک، مٹھاس بھرا، سیدھے سبھاؤ اور روک تھام وغیرہ۔

- ہندی اور فارسی الفاظ کے ملاپ سے بننے والے مرکبات جیسے کہ: راج دربار، سرکار راج، منھ زور، چٹھی رساں، کوڑھ مغز، سدا بہار، دل لگی، گھر آباد، چھاپہ خانہ، بھوک افلاس، جمع خرچ، ٹھنڈی آہ، شام سویر، سیدھی نظر، سیرابِ من، سہاگ سیج اور ہزار دکھ وغیرہ۔

- ہندی اور عربی الفاظ کے باہمی ملاپ سے بننے والے مرکبات جیسے کہ: عجائب گھر، عجیب لوگ، مہا قانون، چونچلا، ادھیڑ عمر، ٹھیٹھ الفاظ، اصلی مورت، بھنگی محلّہ، نصف ملاپ، ضبط ٹوٹنا، قلم اُٹھانا، ساکھ مجروح ہونا، اصل روگ، بھگت قبیلہ، سواس فضا، نقلی چھری، پنچ فیصلہ اور نیک گھڑی وغیرہ۔

ان کے علاوہ بہت سے ایسے الفاظ بھی جو خالصتاً عربی اور فارسی الفاظ کا مرکب ہوتے ہیں دونوں زبانوں کی بول چال میں مستعمل ہیں مثلاً عمر قید، بلند حوصلہ، زبردست، فوری فیصلہ، نیک سیرت، خوب صورت، ذات برادری، سرکاری مہمان، مہمانِ خصوصی، درازقد وغیرہ۔

ہزاروں ایسے غیر مرکب الفاظ بھی اُردو اور ہندی کا مشترک سرمایہ ہیں جو دراصل سنسکرت، عربی یا فارسی زبانوں سے اشتقاق رکھتے ہیں۔ اختصار کے پیشِ نظر صرف چند مروجہ الفاظ کی مثالیں ملاحظہ کریں:

آس، آن، آلس، آکاش، آدرش، آپ، آپس، آری، آڑ، آسرا، آمنا، آلسی، آنچ، آنسو، آنگن، آہٹ، آفت، آخر، آدمی، اتفاق، اثر، اجازت، احتیاط، احسان، احساس، اب، ابال، امر، انگ، انت، ان، اداس، اگر، ادھر، اکٹھ، بوجھل، بھابی، بھاڑا، بھانجا، بھوسا، بھگوڑا، بھلائی، بھیڑ، بھیڑیا، بارش، بادشاہ، بازو، باغ، برادری، بازار، برباد، بہادر، بہانہ، بیاج، بیٹھک، پنتھ، پنکھ، پوجا، پروہت، پریم، پاپ، پردیس، پھل، پھیر، تاپ، تمیز، ترنگ، ثبوت، ثابت، جاہل، جائیداد، جذبہ، جمع، جبری، جرات، جنت، جہنم، حبشی، تھالی، تھپڑ، تھوک، تھن، ٹال، ٹھوکر، ٹھوکنا، ٹھیس، ٹھگ، ٹھمری، ٹھنڈ، جوتش، جوگی، جاتک، چرخہ، چالان، چال، چیخ، چیز، چستی، چلم، چمچ، چوکی، چہرہ، چوزہ، خوراک، خوشامد، خون، دالان، داماد، درخت، درست، درخواست، دستخط، ڈول، ڈھارس، ڈھال، ڈھب، ڈھکوس، ڈھیٹ، راکھ، رُت، رِیت، روٹی، سوال، سیاست، سہولت، شرارت، شراب، شریف، شرط، شریک، شک، شکل، شعلہ، صحت، صدمہ، صفائی، صندوق، صنم، صلح، طاقت، کاٹھ، کتھا، کٹھن، کھنڈ، کھانا، کھرچنا، کھڑکی، کھوج، کھیر، کھیل، گاڑھا، گالی، گاہک، گدھا، گنتی، گنڈاسا، گت، گنت، گنتی، گھات، گوتم، گویا، گیت، گھور، گھاس، سنیاسی، سنگرام، سماج، سدھ، سنسار، سکھ، شاستر، شرم، شودر، شلوک، شدھ، ملاقات، ملزم، مناسب، نتیجہ، نعرہ، نہایت، نفرت، نقل، نسل، نصیحت، نصیب، کاش، مکھن، مکھڑا، مکھی، ملاپ، ملن، منگنی، موڑ، مہنگا، ناگ، ناچ، نال، نتھ، نیل، نوچ، نازک، نزاکت، ناجائز، نزدیک، نمائش، نگرانی، نگاہ، نوکر، نوجوان، ورنہ، ویران، ہرگز، ہزار، ہوشیار، ہمیشہ، ہندوستان، ہنگامہ، یادداشت، یادگار وغیرہ۔

ان میں سے بہت کم الفاظ کو 'بنیادی لغت' کا حصہ کہا جاسکتا ہے لیکن ان کا استعمال ہر سطح پر

نظر آتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ عربی فارسی آوازیں جو ہندی میں نہیں ہیں اُن کی جگہ دوسری آوازیں مستعمل ہیں جیسے کہ مزدور، زمانہ اور نازک کو مجدور، جمانہ اورناجک اور فیصلہ کو پھیسلہ اور خالی کو کھالی بولنااور لکھنا لیکن یہ مسئلہ صوتیات کی بحث سے تعلق رکھتا ہے۔ مندرجہ بالا تمام الفاظ خواہ سنسکرت الاصل ہوں یا اپنے مادے عربی اور فارسی کے رکھتے ہوں اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ آج اُردو اور ہندی دونوں زبانوں کا مشترک سرمایہ ہیں۔ اُردو دانشوروں کی نسبت دخیل الفاظ سے ابکائی زیادہ تر ہندی دانشوروں کو آتی ہے۔ اردو کے محققین اس بات کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ اُردو زبان میں عربی اور فارسی سے کہیں زیادہ ہندی الفاظ شامل ہیں۔ مرزا خلیل احمد بیگ لکھتے ہیں:

> اُردو میں تقریباً ۸۰ فی صد الفاظ سنسکرت اور پراکرت نژاد (=تت سم اور تدبھو) ہیں اور اس زبان میں ان کی حیثیت ناگزیر ہے ...... اُردو میں ایسے بے شمار جملے ترتیب دیے جا سکتے ہیں اور ایسے لاتعداد اشعار موزوں کیے جا سکتے ہیں جن میں ایک بھی عربی فارسی لفظ استعمال نہ ہوا ہو، لیکن اُردو کا کوئی جملہ یا شعر ہند آریائی (ہندی الاصل) الفاظ وقواعد کے بغیر تخلیق نہیں کیا جا سکتا۔[۹]

عبدالستار دلوی لکھتے ہیں:

> [اُردو والے] سنسکرت سے پرے رہ بھی کیسے سکتے ہیں، اُردو سنسکرت کی بیٹی، اس کی صوتیات اس کے تابع، اس کی قواعد کی بنیاد کا پتھر سنسکرت، ذخیرۂ الفاظ یا شبد بھنڈار کا نصف سے زیادہ حصہ سنسکرت کی دین۔[۱۰]

ڈاکٹر عبدالودود لکھتے ہیں:

> اُردواور ہندی کا رشتہ اتنا گہرا ہے کہ اُردو میں مستعمل ہندی الفاظ کی فہرست تیار کرنا ممکن نہیں۔ اُردو کا سرمایۂ الفاظ کھڑی بولی اور سنسکرت کے ساتھ ساتھ غیر ملکی الفاظ پر مشتمل ہے ...... اُردو میں ہندی الفاظ کی کبھی آمیزش ہوئی اور کبھی بہت سے ہندی الفاظ متروک قرار دیے گئے۔ لیکن اُردو کا دامن کبھی بھی ہندی الفاظ سے خالی نہ رہا۔[۱۱]

مندرجہ بالا اقتباسات میں سے پہلے دو ڈاکٹر گیان چند جین کی کتاب ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب میں درج اس خیال کے جواب میں لکھے گئے ہیں کہ اُردو کا مزاج علاحدگی پسند

ہے اور یہ سنسکرت سے فاصلہ برقرار رکھنا چاہتی ہے، حال آنکہ متذکرہ کتاب میں ہی انھوں نے اُردو کی اخذ وقبول کی صلاحیت کا اعتراف بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> میں ہندی والوں کی اس ذہنیت کی مذمت کرتا ہوں جو اسکول ، کالج، انجینئر، ٹیلیفون جیسے عام فہم انگریزی الفاظ کی جگہ وِدیالے، مہا وِدیالے، ابھیتا ، دور بھاش جیسے ترجمے کر رہی ہے۔ امرت رائے نے ہندی کو تنبیہ کی تھی کہ وہ عربی فارسی الفاظ خارج نہ کرے، میں اس سے آگے بڑھ کے کہتا ہوں کہ عربی فارسی الفاظ خارج نہ کرے اور جہاں دیسی ماخذ سے عام فہم لفظ نہ ملے وہاں عام استعمال کا انگریزی لفظ لے لے۔ اردو میں اخذ وقبول کی بے حد صلاحیت ہے۔ وہ انگریزی الفاظ کو بے تامل قبول کر لیتی ہے۔ ہندی کی یہی کمزوری ہے کہ وہ ایسا نہیں کر پاتی۔[۱۲]

ہندی کو عربی اور فارسی الفاظ خارج نہ کرنے کی تنبیہ اس زبان میں عربی اور فارسی الفاظ کا وسیع ذخیرہ موجود ہونے کا اعتراف بھی ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ایک طرف یہ تو قبول کیا جاتا ہے کہ جو مسلمان حملہ آور باہر سے ہندوستان آئے وہ یہاں کی قومیت کا حصہ بن گئے اور اُن کی آئندہ نسلیں ترکی، ایرانی یا عرب نہیں بلکہ ہندوستانی تھیں لیکن یہ تسلیم نہیں کیا جاتا کہ وہ مسلمان جو زبانیں بولتے آئے وہ بھی ہندیائی گئیں اور ان زبانوں کے الفاظ ہمیشہ کے لیے ہندی کا اس طرح حصہ بن گئے کہ بدیسی نہ رہے۔ ہندی کے علم برداروں نے دیسی ماخذ کا مطلب ہمیشہ سنسکرت سمجھا اور خود گیان چند جین کے اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ سکول کا ترجمہ 'مدرسہ' کے بجائے 'وِدیالے' کیا جاتا ہے۔ گو کہ اُردو میں 'مدرسہ' لفظ ایک مخصوص مذہبی تعلیمی ادارے کے معنی میں مستعمل ہے اور لفظ 'سکول' لغت کا باقاعدہ حصہ بن چکا ہے لیکن اس بات کا مقصد صرف یہ ہے کہ اُردو زبان نے جس طرح عربی اور فارسی کے ساتھ انگریزی الفاظ قبول کیے اسی طرح سیکڑوں سنسکرت الفاظ بھی ہندی الاصل یا ہندی تہذیب کے نمائندہ ہونے کے باوجود اپنائے۔ گذشتہ صفحات پر درج سنسکرت اور پراکرت الفاظ کی فہرستیں ایسے مستعمل اور عام فہم الفاظ کا نمونہ ہیں۔ سید احمد دہلوی نے فرہنگِ آصفیہ ترتیب دیتے ہوئے بتایا کہ اُردو زبان کے ۵۴۰۰۹ الفاظ میں ہندی کے (بشمول پنجابی اور پوربی زبانیں) ۲۱۶۴۴ الفاظ اور سنسکرت کے (تت سم) ۵۵۴ الفاظ شامل ہیں، اُردو میں شامل عربی الفاظ کی تعداد ۷۵۸۴ اور فارسی الفاظ کی تعداد

۶۰۴۱ ہے۔[۱۳] گویا سید احمد دہلوی کے زمانے تک عربی اور فارسی کے الفاظ کل ملا کر بھی ہندی الفاظ سے بہت کم تھے اور آج اس لغت کی ترتیب کو ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے اور اُردو اور ہندی دونوں زبانوں کا دامن بہت وسیع بھی ہو چکا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے فاصلے سمٹ چکے ہیں۔ صرف زمینی فاصلے نہیں سمٹے بلکہ زبانیں بھی ایک دوسرے کے بہت قریب آئی ہیں۔ اُردو اور ہندی کے کچھ بنیاد پرست عناصر نے انھیں تہذیبی بنیادوں پر تقسیم کیا اور تفاوت نمایاں کرنے کی کوششیں ہمیشہ جاری رکھیں لیکن ان زبانوں کے مشترک سرمایے کو کوئی بھی تقسیم نہیں کر سکا بلکہ نوآبادیاتی اثرات سے انگریزی الفاظ کے استعمال کا رجحان بھی اس مشترک ذخیرے میں مسلسل اضافے کا باعث بنا ہے۔

ڈاکٹر رام آسرنے اپنی کتاب اُردو اور ہندی کا لسانیاتی رشتہ میں دونوں زبانوں کی مشترک قواعدی خصوصیات کے ساتھ ایسے سیکڑوں عربی، فارسی اور سنسکرت الفاظ کی فہرستیں ترتیب دی ہیں جو اردو اور ہندی کا مشترک سرمایہ ہیں۔ ایسے الفاظ کے استعمال کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> جب عربی اور فارسی نے ہندوستان میں قدم رکھا تو ان دونوں زبانوں کے بہت سے الفاظ یہاں کی بھاشا میں بھی ملتے گئے۔ رفتہ رفتہ وہ اس قدر ہر دل عزیز ہوئے کہ کچھ ہی عرصہ میں ان کی اجنبیت جاتی رہی، روزمرہ کے استعمال نے انھیں ایسا عام فہم بنا دیا کہ آج ہندی کے پاس ایسے عربی اور فارسی الفاظ کے تت سم ڈھونڈ نکالنا مشکل ہے۔ ممکن ہے کسی زمانے میں ہندوستانی زبان میں ان الفاظ کے نعم البدل موجود رہے ہوں جنھیں عربی فارسی الفاظ کی شیرینی نے مروجہ زبان کے میدان سے باہر دھکیل دیا یا یہ بھی ممکن ہے کہ ایسی چیزیں جو ان الفاظ سے مراد لی جاتی ہیں وہ اس ملک میں داخل ہی مسلمانوں کے ساتھ ہوئی ہوں ...... تکیہ کو اہل سنسکرت 'اپدھان' کہتے تھے لیکن موجودہ مروجہ زبان نے 'اپدھان' کا ایسا بائیکاٹ کیا کہ اب تکیہ ہی تکیہ موجود ہے، اسی طرح بندوق، بادام، ...... ملاح، پردہ، کاریگر جیسے سبھی الفاظ عربی فارسی کے ہیں۔ اب اگر انھیں ہندی سے نکالنے کی کوشش کی جائے تو ہندی کے پاس اس کے عام فہم نعم البدل نہیں مل سکیں گے۔ کچھ ایسے الفاظ جن کے سنسکرت تت سم ہیں بھی لیکن عوام ان دیسی الفاظ کی بجائے بدیسی الفاظ کا استعمال ہی زیادہ پسند کرتے ہیں۔[۱۴]

اس اقتباس میں دو باتیں نہایت اہم ہیں۔ پہلی یہ کہ بہت سی چیزیں بدیسی مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں آئیں سو یہ کیسے ممکن ہے کہ اُن کے متبادل الفاظ دیسی سنسکرت یا پراکرت میں پہلے سے موجود ہوتے، ٹھیک اُسی طرح جیسے انگریزوں کے ساتھ بہت سی روزمرہ استعمال کی چیزیں ہندوستان میں آئیں تو اُن کے وہی انگریزی نام یہاں کی زبانوں کا حصہ بن گئے جیسے کہ 'موٹر'، 'مشین' اور 'ریل'۔ ان کا سنسکرت یا عربی فارسی متبادل کیسے موجود ہوتا۔ دوسری اہم بات یہ کہ بہت سی اشیا کے برسوں بعد متبادل (دیسی) نام گھڑ تو لیے گئے لیکن وہ رواج نہ پا سکے کہ اصل نام یا اصل الفاظ زیادہ عام فہم بن چکے تھے۔ یہ صرف عربی فارسی کے سنسکرت متبادل الفاظ کے ساتھ ہی نہیں ہوا بلکہ انگریزی کی کئی نسبتاً تازہ مثالیں سامنے ہیں۔عبدالستار دلوی نے اپنی کتاب دو زبانیں، دو ادب میں متذکرہ بحث پر صادر آنے والی ایک تمثیل بیان کی ہے جو بمبئی کے سابق گورنر سر گرجا شنکر واجپائی (۱۸۹۱ء–۱۹۵۴ء) نے اپنی ایک تقریر میں سنائی تھی، ملاحظہ کریں:

> دو انگریز افسر اپنی اُردو دانی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ایک نے پلیٹ (plate) اٹھائی اور کہا کہ یہ طشتری ہے۔ دوسرے نے کہا یہ 'رکابی' ہے۔ اس اختلاف کو دُور کرنے کے لیے بیرے کو بلایا اور پوچھا کہ وہ اسے کیا کہتا ہے، بیرے نے جواب دیا ''صاحب ہم تو اسے پلیٹ (plate) کہتے ہیں۔[۱۵]

گویا بسا اوقات بدیسی الفاظ کے متبادلات موجود ہونے کے باوجود ان کا استعمال نہیں کیا جاتا کہ وہ مشکل پیدا کرتے ہیں۔ ہندی میں عربی اور فارسی الفاظ کو سنسکرت الفاظ کے ساتھ تبدیل کرنے کے عمل سے زبان میں ایسی ہی اجنبیت پیدا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنسکرت زدہ ہندی صرف ادبی زبان ہی رہی اور بول چال کے لیے مقبول نہ ہوسکی۔ ادبی زبان کا معاملہ الگ ہے۔ ادبی اُردو اور ادبی ہندی میں بلاشبہ آج بھی بہت واضح فرق نظر آتا ہے۔ گیان چند جین نے ایسے کئی واقعات ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب میں درج کیے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ وہ ہندی کو سنسکرت زدہ کرنے کے خلاف تھے۔ لکھتے ہیں:

> اس [ہندی] نے ستم یہ کیا کہ غیر ادبی استعمال میں بھی عربی فارسی الفاظ کو نکال کر مشکل سنسکرت کے الفاظ کا سہارا لیتی ہے۔ جموں میں رہتے ہوئے ایک بار مجھے وکرم

یونی ورسٹی، اجین سے ایم اے اُردو کا پرچہ بنانے کی پیش کش ہندی میں لکھ کر آئی۔ مطبوعہ چٹھی اتنی سنسکرت زدہ تھی کہ میں نے یہ لکھ کر واپس کر دی کہ انگریزی میں لکھیے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ الٰہ آباد کے قیام میں ایک بار یو پی آواس وِکاس پریشد (ہاؤسنگ بورڈ) کا ایک پمفلٹ اور فارم منگایا کہ کہیں کوئی مکان یا زمین لینے کا ڈول ڈالوں۔ عوامی رابطے کا پمفلٹ اتنی ثقیل ہندی میں تھا جیسے ہندی میں نہ ہو، سنسکرت میں ہو (ڈاکٹر رگھوویر سے تیار کرایا ہوگا) میری بیوی ہندی کی ایم اے ہیں۔ ہم دونوں مل کر پمفلٹ میں سر ٹکرایا کیے، لیکن ضروری جملوں کا مفہوم نہ سمجھ سکے۔ مارچ ۱۹۸۷ء میں حیدر آباد سنٹرل یونی ورسٹی میں ہندی ڈیپارٹمنٹ نے ایک سیمی نار کیا۔ اس کے پروگرام میں لکھا تھا 'ادھشٹھا تامانو کی سنکائے' صدارت کریں گے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار یہ فقرہ سنا۔ چونکہ اس کے آگے پروفیسر موصوف کا نام بھی لکھا تھا اس سے اندازہ لگایا کہ یہ 'ڈین اسکول آف ہیومین ٹیز' کا ترجمہ ہے ...... اگر مسلمان ایسی ہندی کو ہندوؤں کی تہذیبی جارحیت قرار دیں تو کیا غلط ہے۔[16]

ہندی کا لفظیات کی سطح پر عربی فارسی سے اختلاط سنسکرت کی نسبت اس لیے فطری معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے پس منظر میں وہ سات آٹھ صدیوں کا ارتقائی عمل ہے جو مسلم دورِ حکومت میں آگے بڑھا۔ جس طرح سنسکرت اور پراکرت کے وہ الفاظ جو اس دور میں زبان کا حصہ بنے، دخیل الفاظ نہیں سمجھے جاتے اسی طرح عربی اور فارسی کے ایسے الفاظ کو بھی دخیل کہنا درست نہیں ہوگا جو ارتقائی عمل میں زبان کا حصہ بنے۔ البتہ وہ الفاظ جنھیں شعوری طور پر زبان میں گھسانے کی کوشش کی گئی یا کسی مستعمل لفظ کے متبادل کے طور پر اختیار کیا گیا ضرور دخیل ہیں۔ مثال کے طور پر ایک طرف تحسینؔ کی نو طرزِ مرصع یا سرورؔ کی فسانۂ عجائب یا مظہرؔ، حاتمؔ اور ناسخؔ کی شاعری کو دخیل الفاظ پر مبنی تخلیقات کہا جا سکتا ہے تو دوسری طرف للو لال کوی کی پریم ساگر سے لے کر بھارتیندو ہریش چندر کے ساتھیوں کی تخلیقات تک، سبھی اس کا نمونہ ہیں۔ اسی طرح پاکستان کے سرکاری ریڈیو اسٹیشن یا ٹیلی ویژن سے نشر ہونے والی خبروں کی زبان اور ہندوستان کے سرکاری ریڈیو اسٹیشن یا ٹیلی ویژن کی زبان بھی پوری طرح عام بول چال کا نمونہ نہیں ہوتی۔ ہندی بولنے والا عام آدمی مظہرؔ جان جاناں کی زبان سنتے ہی اسے اُردو کہے گا اور اُردو بولنے والا ایک عام آدمی بھارتیندو ہریش چندر کے ناٹکوں کی زبان سن کر فوراً اسے

ہندی کہے گا یہی حال اُردو اور ہندی میں نشر ہونے والی سرکاری خبروں کا ہوتا ہے لیکن سرحد کے دونوں اطراف کے ڈراموں، فلموں اور گیتوں کی زبان سن کر کوئی بھی اُردو یا ہندی بولنے والا فوری طور پر یہ نہیں بتا سکتا کہ یہ ہندی ہے یا اُردو۔ بھارت میں بے حد معروف ہونے والے نجی ٹی وی چینل کے ایک پروگرام ''کون بنے گا کروڑ پتی'' میں امیتابھ بچن اپنے مہمانوں سے جس زبان میں گفتگو کرتے ہیں یا سوال پوچھتے ہیں اُسے کوئی بھی عام بول چال کی ہندی نہیں کہہ سکتا۔ ٹھیک اسی طرح پاکستان کے نجی ٹی وی چینلوں پر روحانی یا مذہبی موضوعات پر جو پروگرام نشر ہوتے ہیں یا رمضان المبارک کی نشریات میں ہونے والی گفتگوؤں کی زبان بھی عام بول چال کی اُردو نہیں ہوتی۔ عام بول چال کی اُردو اور ہندی جو دونوں ملکوں کے مختلف شہروں، گلیوں اور محلوں میں بولی جاتی ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ رابطے کی زبان ہے، میں عربی اور فارسی الفاظ بھی برابر بولے جاتے ہیں اور سنسکرت اور پراکرت الفاظ بھی۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے بہت دلچسپ نکتہ بیان کیا ہے کہ چلیے زبان کو تو تہذیبی بنیادوں پر آپ اپنے موافق مترادفات سے بدل لیں گے لیکن انسانی ناموں کا کیا کریں گے۔ اقتباس ملاحظہ کریں:

> فرض کیجیے عام لفظوں کو تو مترادفات کے ذریعے بدل بھی لیا جائے لیکن ناموں کا کیا کیجیے گا۔ بعض ناموں میں تو زبانوں کا سنجوگ عجیب و غریب شکلیں اختیار کرتا ہے، مثلاً بدھ یعنی گوتم بدھ کے مجسموں کی رعایت سے فارسی نے بدھ کو 'بت' بنا لیا۔ گورو تیغ بہادر کا نام کس نے نہیں سنا۔ نیپال کبھی مسلمانوں کے زیرِ نگیں نہیں رہا لیکن شمشیر جنگ رانا اور ببر جنگ رانا زبانوں کی آمیزش کا کھلا ہوا ثبوت ہیں۔ اسی طرح چودھری، کنور اور راجا کے القاب مسلمانوں کے ناموں کے ساتھ عام استعمال ہوتے ہیں۔ صاحب اور سردار ہندوؤں اور سکھوں کے ناموں کے جز ہیں۔ اور تو اور صاحب رام، مالک رام، حاکم رائے، نوبت رائے، خوشی چند، شادی لال، چمن لال، حضور سنگھ، گوربخش سنگھ، ذیل سنگھ، ہوشیار سنگھ، عجائب سنگھ، بختاور سنگھ جیسے نام ہندوؤں سکھوں میں عام طور پر سنائی دیتے ہیں جن میں عربی فارسی لفظوں کی بھرمار ہے۔ ان عناصر کے پیشِ نظر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اردو رسم الخط اور اس کی لفظیات بدیسی ہے اور یہ تمام اثرات بھی بدیسی ہیں، تو انھیں کیسے قبول کر لیا گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر ایسے تمام اثرات کو رد کر دیا جائے تو ہندوستان گیر حیثیت سے ہندی کا تصور کرنا بھی مشکل ہوگا۔[۱۷]

نارنگ صاحب نے اکثر غیر مسلموں کے ناموں کا ذکر کیا ہے، پاکستان اور ہندوستان میں بہت سے مسلمان گھرانوں میں بچوں کے نام آکاش، پوجا، کامنی، دیپ، گیت، رُوپ، مالا، پائیل، سورج، چاند، نرمل اور نروان ملتے ہیں جو خالصتاً ہندی الفاظ ہیں۔

اپنی زبان کی ملک گیریت کے لیے ہی ہندی کے سچے دانشوروں نے عربی فارسی الفاظ سے مغائرت برتنے کی حوصلہ شکنی کی کیونکہ انھیں برابر احساس تھا کہ لفظوں کا یہ ذخیرہ اب ہماری ثقافت کا حصہ بن چکا ہے۔ اُردو کے مورخین لسانی عصبیت کا الزام اکثر بنارس کے ہندو زعما پر عائد کرتے ہیں لیکن انھی میں راجہ شیو پرساد ایسے دانشور بھی تھے جنھوں نے فارسی الفاظ کی حمایت کا علَم اُٹھا کر اپنے ساتھیوں کی مخالفت مول لیے رکھی۔ خود بھارتیندو ہریش چندر نے بھی کئی موقعوں پر یہ اعتراف کیا کہ ہندی سے عربی فارسی الفاظ کو مکمل طور پر خارج کرنا ممکن نہیں۔ اُردو والوں کے نزدیک ہندی کے سب سے بڑے علم بردار اور اُردو کے مخالف ٹھہرنے والے امرت رائے نے ہندی سے عربی فارسی الفاظ خارج نہ کرنے کا ہی نہیں کہا بلکہ ساتھ ہندی کو سنسکرت زدہ کرنے کی روش کو بھی غلط قرار دیا۔ *A House Divided: The Origin and Development of Hindi/Hindavi* کے آخر میں 'نتیجہ' لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> Deliberate Sanskritization of the language is wrong, first and foremost, for the same reason that deliberate Persianization was; it is not backed up by the natural, living speech of the people. Persian and Arabic words and their derivatives have, in the past eight centuries or more, come to be an organic part of speech of the Hindi community. Therefore any attempt for whatever reason to discard them would not only impoverish the language but also make it artificial — in the same way as the rejection of Sanskrit words and their derivatives impoverishes modern

Urdu and makes it artificial.[15]

ترجمہ: زبان کو دانستہ طور پر سنسکرت زدہ کرنا غلط ہے۔ اس عمل کی مخالفت کی بڑی اور اہم وجہ وہی ہے جو زبان کو دانستہ طور پر فارسی زدہ کرنے کی تھی۔ لوگوں کی زندہ اور فطری زبان اس عمل کی حمایت نہیں کرتی۔ گذشتہ آٹھ صدیوں سے زائد عرصے میں عربی فارسی الفاظ اور اُن کے اشتقاق ہندی بولنے والوں کی گفتگو کا نامیاتی جز بن چکے ہیں پس اُنھیں کسی بھی وجہ سے ترک کرنے کی کوئی بھی کوشش زبان کو نہ صرف خستہ حال بلکہ مصنوعی بنا دے گی، بالکل اُسی طرح جیسے سنسکرت الفاظ اور اُن کے اشتقاق مسترد کرنا جدید اُردو زبان کو خستہ اور مصنوعی بنا رہا ہے۔

اُردو اور ہندی میں ثنویت دونوں زبانوں کے جدید رُوپ میں ظاہر ہوتی ہے وگرنہ امرت رائے کی اس بات میں بڑا وزن ہے کہ گذشتہ آٹھ صدیوں یا اس سے بھی زیادہ کا ارتقائی عمل فطری طور پرآگے بڑھتے ہوئے ان زبانوں کے الفاظ کو ہندی (کھڑی بولی/ہندوستانی) کا حصہ بنا رہا تھا۔ کہیں اصلاح کے نام پر تو کہیں نکھار اور جدت کے نام پر الفاظ کے ردّ وقبول سے ایک زبان کے حصے بخرے ہوئے۔ گویا اُردو اور ہندی کی وحدت کی بڑی دلیل مشترک قواعد اور لفظی اختلاط ہے تو ثنویت کا بڑا محرک تہذیبی وابستگی کے پردے میں لسانی انتہا پسندی۔

....

اُردواور ہندی کی نحو کو بھی دیگر زبانوں کی نحو کی طرح دوحصوں میں تقسیم کر کے دیکھا جاسکتا ہے۔ ایک: نحوِ تفصیلی (جس میں اجزاے کلام اور اُن کے تغیرات زیرِ بحث آتے ہیں) اور دوسرا: نحوِ ترکیبی (جس میں جملوں کی ساخت/ترکیب کا جائزہ لیا جاتا ہے)۔ نحوِ تفصیلی میں ہم جملے میں اسم، اسمِ صفت، ضمیر، مصادر اور حروفِ ربط وغیرہ کے استعمالات دیکھیں گے۔ نیز یہ بھی کوشش کی جائے گی کہ اُردو اور ہندی میں الفاظ کی سطح پر موجودہ ثنویت واضح رہے تاکہ قواعدی وحدت کا اندازہ بخوبی ہو سکے۔

- اُردو اور ہندی میں بہت سے ایسے مشترک اسما ہیں جو اصل میں واحد ہیں لیکن جملوں میں جمع استعمال ہوتے ہیں، مثلاً نصیب، کرتوت، دام اور درشن وغیرہ۔ اسی طرح جناب، شری، وزیرِ اعظم، منتری جی وغیرہ کے لیے عزت یا ادب کی خاطر جمع کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ کچھ ایسے اسما جو کیفیت کا

اظہار کرتے ہیں صرف واحد استعمال ہوتے ہیں جیسے کہ انتظار، پیار، درد، ملاپ، رفتار وغیرہ۔ یہی معاملہ اسماے خاص یعنی اشخاص، شہروں ، ملکوں اورمختلف اشیا کے ساتھ ہے کہ اُن کے لیے واحد کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ جملوں میں اسما کے لیے واحد یا جمع کے صیغے کا استعمال اُردو اور ہندی میں بالکل ایک ہی طرح ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر دونوں زبانوں کے چند جملے ملاحظہ کریں:

میرے نصیب میں آپ سے ملنا نہیں۔	میں بھگوان کے درشن کے لیے جا رہا ہوں۔
یہ کون جناب آ رہے ہیں؟	نیتا جی بڑے سیوک ہیں۔
میرادرد بڑھتا جا رہا ہے۔	تیرا پیار میرا جیون ہے۔
شاہد آفریدی اچھا کھلاڑی ہے۔	اُرون دھتی رائے سچی لیکھک ہے۔

- اسم کی مختلف حالتیں اُردو اور ہندی میں یکساں ہیں۔ خاص طور پر فاعلی اور مفعولی حالت۔ ان کا ذکر پہلے بھی تفصیل سے آ چکا ہے یہاں ان حالتوں میں علامتوں کے استعمال پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ کسی جملے میں اسم جب فاعلی حالت میں آتا ہے تو اس کے ساتھ عموماً 'نے' کا استعمال ہوتا ہے اسی لیے اسے علامتِ فاعل بھی کہا جاتا ہے۔ جب اسم مفعول کے طور پر آئے تو اس کے ساتھ 'کو'، 'سے'، 'کے' اور 'پر' مفعولی علامتوں کے طور پر آتے ہیں۔ قدیم کھڑی بولی میں علامتِ فاعل بعض دفعہ غائب نظر آتی ہے لیکن جدید رُوپ میں اس کا استعمال لازم ٹھہرا ہے۔ جملے میں علامت کا استعمال فعل پر بھی منحصر ہے۔ بعض دفعہ جملے میں افعال کی وجہ سے علامت کی ضرورت نہیں بھی پڑتی۔ اُردو اور ہندی کے چند جملے ملاحظہ کریں جن میں اسم کی فاعلی اور مفعولی حالتوں میں علامتوں کا استعمال بھی نظر آتا ہے:

میں نے حفاظت کی۔	میں نے رکھشا کی۔
میں نے اپنے بھائی کی حفاظت کی۔	میں نے اپنے بھائی کی رکھشا کی۔
میں خط بھیج چکا ہوں۔	میں چٹھی بھیج چکا ہوں۔

مفعولی حالت میں اسم کے ساتھ عموماً مفعولی علامتیں استعمال ہوتی ہیں لیکن بعض اوقات جب فعل متعدی کے جیسا امدادی فعل استعمال ہو جو متعدی بھی ہو اور لازم بھی تو علامت کا استعمال ضروری نہیں رہتا۔

عدالت نے مجھ سے حلف لیا۔	عدالت نے مجھ سے شپت لی۔
میں نے اپنے بھائی کی حفاظت کی۔	میں نے اپنے بھائی کی رکھشا کی۔
اسلم نے اکرم کو مارا۔	کرن نے ارجن کو مارا۔
میں نے سانپ مارا۔	میں نے سانپ مارا۔

- اسمِ صفت جملے میں اسم کی حالت یا کیفیت بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ صفات کی مختلف اقسام (ذاتی، نسبتی، عددی اور مقداری وغیرہ) پر گذشتہ صفحات میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ جملے میں اس کے استعمال پر غور کریں تو بنیادی طور پر یہ دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک توصیفی، اسم کی حالت یا کیفیت بیان کرنے کے لیے جیسے کہ 'یہ خوبصورت منظر ہے' یا 'یہ عمدہ کتاب ہے' اور دوسرا استعمال خبری نوعیت کا ہوتا ہے جیسے کہ 'یہ منظر تو خوبصورت ہے' یا 'مجھے یہ کتاب اچھی لگی' وغیرہ۔ توصیفی صورت میں صفت پہلے اور اسم بعد میں اور خبری صورت میں یہ ترتیب عموماً اُلٹ جاتی ہے لیکن یہ التزام ضروری بھی نہیں۔ علاوہ ازیں کبھی صفت اسم کے معنی اختیار کر لیتا ہے اور کبھی اسم صفت کے، اسی طرح کچھ صفات تمیزی افعال کا کام بھی دیتی ہیں۔ جملوں میں مبالغہ آرائی یا صفت کو ترقی دینے کے لیے اس کی تکرار یا تکرار کے بیچ 'سے' کا اضافہ بھی کر لیا جاتا ہے۔ صَرف کے بیان میں ہم نے دیکھا کہ اُردو اور ہندی کے سیکڑوں اسمائے صفات مشترک ہیں۔ مندرجہ ذیل مثالوں کی روشنی میں اسمائے صفات کا مختلف جملوں میں استعمال ملاحظہ کریں:

یہ **خوبصورت نظارہ** ہے۔	یہ **سندر لڑکی** ہے۔
وہ **عظیم صوفی** تھے۔	وہ **بہادر نیتا** تھے۔
یہ رشتہ تو بہت **کمزور** نکلا۔	یہ **نشانی** تو سچے پیار کی ہے۔
چلنا صحت کے لیے **فائدہ مند** ہے۔	**دھومر پان** سواستھ کے لیے **ہانی کارک** ہے۔
یہ **عجیب وغریب کپڑے** کہاں سے خریدے؟	آپ کا **شبھ نام**؟
اُس کے ہاتھ میں **معلوماتی کتابچہ** ہے۔	اُس نے **بنارسی ساڑھی** پہن رکھی ہے۔
یہ **پاگل** کہاں سے آ گیا؟	یہ **بوڑھی آتما** کون ہے؟

وہ **سخت طبیعت** کا مالک ہے۔ یہ ایک **کٹھن راستہ** ہے۔

مجھے **ہلکے سے ہلکا پتھر** چاہیے۔ **بڑے سے بڑا وشیشکھ** بھی یہ کام نہیں کر سکتا۔

- اُردو اور ہندی کے مشترک ضمائر کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ یہاں جملوں میں ان کے استعمال کی صورتوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ اُردو اور ہندی ضمائر کی تین صورتوں میں سے عام طور پر پہلے متکلم (میں، ہم)، اُس کے بعد مخاطب (آپ، تم، تجھ) اور آخر میں غائب (وہ، اُس) آتی ہے جیسے کہ 'میں نے تمھیں کہا تھا کہ اُس سے بچ کر رہنا' لیکن یہ کوئی لگا بندھا اصول نہیں ہے۔ اُصول دیکھا جائے تو وہ یہ ہے کہ ضمیر کی جنس اور تعداد ہمیشہ اُس اسم کے مطابق آتی ہے جس کے لیے وہ استعمال ہو لیکن یہ قاعدہ بھی اُس وقت جاتا رہتا ہے جب عزت و تکریم کے لیے 'آپ' استعمال ہو یا پھر کوئی نواب یا ٹھاکر صاحب اپنے لیے 'ہم' استعمال کریں۔ چند جملے دیکھیے جن میں ضمیریں استعمال ہوئی ہیں:

میرے اُس گھرانے سے پرانے سمبندھ ہیں۔

میں نے **تم** سے کہا تھا کہ **اُسے** لیتے آنا۔

میرے اور **اپنے** جھگڑے میں **اُسے** مت لا۔

اسلم اور اکرم دوست ہیں اور **اُن** کی دوستی برسوں پرانی ہے۔

آپ چنتا نہ کریں **میری** نظروں [نجروں] سے **اُس** کا بچنا اسمبھو ہے۔

- بعض اوقات ایک جملے میں ضمائر دو یا دو سے زیادہ استعمال ہوتی ہیں۔ اگر دونوں ایک فعل کے ساتھ جڑی ہوں تو جمع متکلم استعمال ہوں گی جیسے کہ 'میں نے اور اُس نے جو کام کیا اس پر ہمیں انعام بھی ملا'۔ اگر جملے میں دو مفعول آ جائیں جن میں ایک شے اور دوسرا شخص ہے تو ضمیر ہمیشہ شخص کے ساتھ آتی ہے۔ 'اپنا' صرف ضمیر کے طور پر نہیں بلکہ صفت اور اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ ضمیری صفات کی تفصیل صَرف کی ذیل میں آ چکی ہے۔ یہ فرق یاد رہے کہ ضمائر موصولہ، استفہامیہ اور تنکیر صفت کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہیں لیکن ضمائر شخصی صرف اُسی وقت صفت کی صورت استعمال ہوتی ہیں جب 'ہی' کا اضافہ قبول کریں اور وہی، تمھی بن جائیں۔ ضمیر 'یہ' قریب کے اشارے کے لیے اور 'وہ' دُور (بعید) کے اشارے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ جمع کی صورت میں اول الذکر 'اِن' اور موخر

الذکر 'اُن' میں بدل جاتی ہے اور جب حرفِ ربط کا اثر پڑے تو یہ ضمیریں بالترتیب 'اِس سے' اور 'اُس سے' میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ استفہامیہ ضمیروں (کیا، کون، کس) جن مختلف حالتوں میں استعمال ہوتی ہیں اُن میں استفساری کے علاوہ اقراری، انکاری، انکساری، تجاہلی اور انفرادی وغیرہ شامل ہیں۔ اُردو اور ہندی جملوں کی چند مثالیں دیکھیے:

اِس یُدھ کا پرینام **کیا** ہوگا **میں** بھی جانتا ہوں اور **تم** بھی، اس لیے **ہمیں** شانتی سے رہنا چاہیے۔

یہ کتاب تو **میں** احمد کو دُوں گا کیونکہ **وہی** اس کی قدر جانتا ہے۔

اِس دیش کے لوگ تو سکھ اور شانتی سے رہنا چاہتے ہیں لیکن **کوئی انھیں** رہنے نہیں دیتا۔

کون ہے **جو** خوش نہیں رہنا چاہتا!

خوشی **کسی کسی** کو نصیب ہوتی ہے۔

یہ تو **میں اُس** کے نیوتے پر گیا انیتھا **میرا** کیا کام!

جیسے تم چل رہے ہو **ایسے** منزل پر پہنچ جاؤ گے۔

تیری گھمبیرتا **اِن** شبدوں سے پرتیت ہے **جو** ابھی بولے ہیں۔

- اُردو اور ہندی میں افعال کی بڑی تعداد مشترک ہے کیونکہ دونوں نے افعال کا بیشتر سرمایہ پراکرتوں سے لیا ہے۔ جملوں میں ان کا استعمال بھی اکثر اوقات ایک ایسی صورتوں میں ملتا ہے۔ مثالیں دیکھیے جن میں اگر مصدر بطور اسم اور بطور مفعول آئے تو:

لکھنا پسند ہے **پڑھنا** پسند نہیں / اُسے **سیکھنا** پسند ہے۔

مصدر جب ضرورت اور مجبوری کے لیے استعمال ہو تو:

ہمیں **پڑھنا پڑے گا** / اُسے **سیکھنا پڑے گا**۔

مفعول کی حالت میں 'ے' کے ساتھ:

ہم **پڑھنے** لگے ہیں/ ہم **سیکھنے** لگے ہیں۔

نفی کی صورت میں اضافت کے ساتھ:

ہم نہیں **پڑھنے کے**/ وہ نہیں **سیکھنے کا**۔

اسم کے ساتھ مل کر آئے تو درمیان میں 'کا' کا التزام:

کتاب کا پڑھنا اچھی عادت ہے/ **موسیقی کا سیکھنا** ضروری ہے۔

امر کے معنوں میں آئے جہاں تاکید ہو:

بیٹا! **پڑھنا چاہیے**/ سنو! **سیکھا کرو**۔

جب اسم بھی فعل کا حصہ بن جائے:

وہ **پڑھنے والا بچہ** ہے/ **سیکھنے والا** کوئی نہیں۔

فعل کی تذکیر و تانیث اسم کے مطابق ہوتی ہے:

راہل کتاب **پڑھتا ہے**/ آدِتی موسیقی **سیکھ رہی** ہے۔

زمانے کے اعتبار سے کسی فعل کے لیے بنیادی طور پر تین زمانوں میں پایا جانا ضروری ہے جنھیں ماضی، حال اور مستقبل کا نام دیا جاتا ہے۔ اُردو اور ہندی افعال کا مشترک سرمایہ کم و بیش ہر زمانے پر پورا اترتا ہے۔ کچھ امتیازی صورتیں بھی ہوسکتی ہیں لیکن بہت کم، جو ہیں وہ جغرافیائی اثرات یا تعلیمی سطح پر منحصر ہیں۔ معنی کے اعتبار سے فعل کی تین صورتیں ناتمام، تمام اور مستقبل ہیں۔ 'ناتمام' یعنی کوئی کام شروع ہو چکا اور ابھی ختم نہیں ہوا۔ 'تمام' یعنی کام شروع ہو کر مکمل ہو چکا ہو اور 'مستقبل' یعنی کام جو ابھی شروع کرنا ہے، مثلاً:

فعل تمام کا اظہار:

یہ کتاب تو میری **پڑھی ہوئی** ہے/ یہ کلا تو میری **سیکھی ہوئی** ہے۔

فعل ناتمام کا اظہار:

سوئی ہوئی شکل دھوآؤ/ میں نے **روتی ہوئی آنکھیں** دیکھیں۔

مستقبل کا اظہار:

یہ کتاب **پڑھی ہوگی** تو پاس ہوگے/ یہ کھیل **سیکھا ہوگا** تو کھیلنا آئے گا۔

اسی طرح افعال کی مضارع اور امر صورتیں بھی کم و بیش یکساں ہیں تاہم امر کی اُردو اور ہندی صورتوں میں بعض اوقات آؤ، جاؤ اور سنو کے بجائے آئیو، جائیو، سنیو وغیرہ استعمال ہوتا ہے جو کچھ علاقوں میں برج بھاشا کی قربت کا اثر ہوسکتا ہے۔ افعال کچھ دیگر صورتوں میں بھی مستعمل ہیں جیسے کہ:

فعل جب ذریعے کے طور پر استعمال ہو:

وہ **پڑھ کر** پاس ہوا / وہ **جان دے کر** امر ہوگیا۔

فعل جب اعتراف کے لیے آئے:

میں **پڑھنے سے** بھی پاس نہیں ہوں گا / میں **سیکھنے کے بعد** کھلاڑی بنا۔

اُردو اور ہندی کے یکساں حروف کا استعمال مختلف جملوں میں یکساں طور پر ہوتا ہے اور مفہوم کے لیے ان کی اہمیت دونوں زبانیں بولنے والوں پر بالکل واضح ہے۔ حروف کی مختلف اقسام کا بیان پہلے آ چکا ہے۔ یہ حروف جملوں میں اسم، صفت، ضمیر اور فعل کے ساتھ استعمال ہو کر مختلف معنی دیتے ہیں۔ بسا اوقات جملے میں بیان کردہ کیفیت کا اظہار ان کی جگہ تبدیل کرنے سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ چند مثالیں دیکھیے:

اسم کے ساتھ:

عامر **کو** ہر شرط منظور ہے۔

فعل کے ساتھ:

اُس پر وشواس کرنے **سے** پہلے سوچ لینا / دھن لٹا **کر** رونا **اور** دل لٹا **کر** ہنسنا **تو** انوکھی بات ہے۔

ضمیر کے ساتھ:

جس **نے** مجھ **پر** یہ الزام لگایا ہے وہ خود **تو** مجرم ہے/ جھوٹا کیول میں **ہی** تھا؟

اسم اور ضمیر کے ساتھ آنا:

اسلم **کو** بتا دینا کہ اُس **سے** ہمارا رشتہ ختم ہے/ بتا دینا اسلم **کو**! اُس **سے** ہمارا رشتہ ختم۔

اسم + صفت کے ساتھ:

وہ لڑکے **کے** پتا **کی** در یدرتا **سے** اوگت ہے/ غلط آلوچنا **سے** وشواس گھٹتا ہے۔

ضمیر + صفت کے ساتھ:

اُس مُورکھ **تک** بات نہ پہنچے/ یہ راستہ کٹھن ہے **یا** وہ راستہ/ یہ شبھ گھڑی **پھر** نہیں آئے گی۔

تمیزی فعل کے ساتھ:

اسے پیار **سے** چُھونا/ اِدھر رہنا شانتی **سے**۔

دیگر استعمالات:

اگر مرد ہو **تو** گھر **میں** کیوں بیٹھے ہو؟ / آج **اور** کل **کا** کام پرسوں کروں گا۔

اُس **نے** اپنے بچوں **کو** اچھے سنسکار دیے/ اُن **پر** کس پراشکشن **کا** پربھاو ہے؟

اُردو اور ہندی کے جملوں کی ترکیب میں وحدت مفرد اور مرکب دونوں طرح کے جملوں میں نظر آتی ہے، مثلاً یہ جملے دیکھیے:

وہ گیا، اُس نے جا کر چٹھی لکھی، مجھے خوشی ہے، وہ پڑھ لکھ کر سمجھدار ہو گیا ہے، جب وہ آئے گا تب ہم جائیں گے، تم کون ہو؟ تمھارا نام کیا ہے؟ میں تمھارا بھائی نہیں ہوں، میرا وشواس کرو، دیکھو! اس سنسار میں کوئی کسی کا نہیں، وغیرہ۔

ان جملوں میں موجود اسما، صفات، ضمائر، افعال، حروف اور بنیادی الفاظ اُردو اور ہندی کے مشترک ہونے کے ساتھ ساتھ جملے کی ترکیب میں بھی یکساں طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ دخیل الفاظ کا فرق ضرور ہو سکتا ہے جیسے ہندی کے الفاظ وشواس اور سنسار جن کی جگہ پر اُردو میں اعتبار اور دنیا/جہان استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات روزمرہ کی وجہ سے قواعدی اختلاف بھی آ جاتا ہے لیکن ایسا ہر جملے میں نہیں ہوتا۔ تذکیر و تانیث میں فرق بھی اُس وقت کبھی آ جاتا ہے جب علاقائی یا جغرافیائی اثرات حاوی ہوں۔ ذیل میں اُردو اور ہندی کے جملوں کی ساخت اور ترکیب سے مختصر بحث ملاحظہ کریں:

-مفرد جملے کے دو اجزا ہوتے ہیں۔ ایک مبتدا (مسند الیہ) یعنی وہ شخص یا چیز جس کا ذکر کیا جائے اور دوسرا خبر (مسند) یعنی جو کچھ اُس شخص یا چیز کے بارے میں بتایا جائے۔ مثالیں دیکھیے جب اسم، ضمیر، صفت، مصدر اور جملہ مبتدا کے طور پر استعمال ہوں:

شاہد نے لکھا۔ زمانے نے سکھایا۔ شاہد اور عامر نے لکھا۔ زمانے اور کتاب نے سکھایا۔
میں نے لکھا۔ اُس نے سکھایا۔ میں نے اور اُس نے لکھا۔ تم نے اور اُس نے سکھایا۔
بڑا سو رہا ہے۔ چھوٹا جاگ رہا ہے۔ بڑا اور چھوٹا سو رہے ہیں۔ ایک سو رہا ہے اور دوسرا جاگ رہا ہے۔
سونا اچھا ہے۔ جاگنا اچھا نہیں۔ سونا اور جاگنا معمول ہے۔ سوتے جاگتے رونا کیسا؟
یہاں آنا آسان تھا۔ یہاں سے جانے کا راستہ بہت مشکل ہے۔

ان مثالوں میں اگر اُردو کے چند الفاظ کی جگہ ہندی کے الفاظ رکھ دیے جائیں تو بھی مبتدا کے اجزا یہی رہیں گے اور جملوں کی نوعیت بھی یہی رہے گی۔ اب جملے کے دوسرے جز یعنی خبر (مسند) کی طرف آیئے۔ خبر کسی جملے میں مختلف اجزا کے طور پر آسکتی ہے جیسے کہ بطور مصدر، بطور اسم یا ضمیر، بطور صفت اور بطور ایک مکمل جملہ۔ چند اور مثالیں ملاحظہ کریں:

شاہد نے لکھا۔ اس جملے میں 'شاہد' مبتدا ہے اور 'لکھنا' خبر ہے۔
اُس کا نام شاہد ہے۔ اس جملے میں نام یعنی 'شاہد' خبر بن جاتا ہے۔
وہ اس بات کا شاہد ہے۔ اس جملے میں 'اس بات کا شاہد ہونا' خبر ہے۔
میں شاہد کا بھائی ہوں۔ اس جملے میں 'میرا شاہد کا بھائی ہونا' خبر ہے۔

- مندرجہ بالا مثالوں کی روشنی میں یہ بھی واضح ہو جائے کہ جب کسی جملے میں دو مبتدا آ جائیں جن میں سے ایک خبری جز ہو اور دوسرے پر منحصر ہو اور دونوں مل کر ایک فقرے کی صورت میں اگلے خبری جز سے رشتہ جوڑیں تو ایسا جملہ مخلوط جملہ کہلائے گا۔ جیسے کہ ''یہاں سے جانے کا راستہ بہت کٹھن ہے'' میں مبتدا کی حیثیت ''یہاں سے جانے'' اور ''راستے'' کو حاصل ہے اور دونوں مربوط ہو کر خبری جز ''بہت کٹھن ہے'' کے ساتھ آتے ہیں۔ آسانی کے لیے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مخلوط جملے میں ایک پابند روپ ہوتا ہے جو خبری جز کے ساتھ مل کر جملہ بناتا ہے، مثلاً ''جب تک میں نہ آؤں بولنا مت'' میں پہلا حصہ ''جب تک میں نہ آؤں'' پابند فقرہ ہوگا اور ''بولنا مت'' خبری۔ ''وہ اس بات کا شاہد ہے'' میں ''وہ اس بات کا'' پابند جملہ ہے اور ''شاہد ہے'' خبری۔ اُردو اور ہندی میں مخلوط جملوں کی

ترکیب اسی قاعدے میں ہوتی ہے۔

- ان جملوں میں مطابقت کا قاعدہ بھی اُردو اور ہندی میں ایک ہی طرح رکھا جاتا ہے۔ صفت (توصیفی ہو یا خبر یہ) کی تذکیر و تانیث اور صیغہ (واحد اور جمع) اسم کے مطابق آئے گا۔ جملے کے خبری جز (فعل ہو یا صفت) کی تذکیر و تانیث اور واحد جمع مبتدا کے مطابق ہو گی لیکن اگر جملے کا جزوِ مبتدا دو یا دو سے زائد اسما یا ضمائر یا صفات پر مشتمل ہو تو خبری جز (فعل) کی جنس اور تعداد سب سے قریب کے اسم، ضمیر یا صفت کے مطابق آتی ہے۔ اگر مبتدا سب کے سب واحد اور ایک جنس ہیں تو خبر جنس کے مطابق ہوگی اور اگر کوئی ایک بھی جمع ہے تو خبر جمع ہوگی۔ صفت ہمیشہ اپنے موصوف کے مطابق ہی آتی ہے۔ جہاں تک حرفِ اضافت کا تعلق ہے تو اس کی تذکیر و تانیث اور واحد جمع اپنے مضاف کے مطابق آتی ہیں، مثلاً:

راہل اور شنکر **اچھے** کھلاڑی ہیں/عدالت پر اُس **کا** وشواس اُٹھ **گیا**/ آدتی اس دیش **کی** ذمہ دار (جمہ دار) ناگرِک ہے۔

اس دیش **کی** جنتا ورلڈ کپ میں بھارت اور پاکستان **کا** ٹاکرا **چاہتی** ہے۔

اس دُرگھٹنا میں اُس **کا** ایک بیٹا، دو بھائی اور **میری** بیٹی گھایل ہوئے۔

مطابقت کے قاعدے کچھ اور بھی ہیں لیکن اختصار کے پیشِ نظر یہاں صرف چند اُصولوں کی مثالیں درج کی گئی ہیں۔ مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ اُردو اور ہندی کے جملوں میں مطابقت کے لیے ایک ایسے اصول ہی لاگو ہوتے ہیں۔ جملوں میں صرف الفاظ کا فرق نظر آتا ہے باقی ترکیب اُردو اور ہندی میں یکساں ہے۔

- مرکب جملے میں دو یا دو سے زیادہ سادہ جملے مل کر یا مخلوط جملے شامل ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ مرکب جملے میں شامل دو یا دو سے زیادہ جملے نحوی لحاظ سے جداگانہ حیثیت کے حامل ہو کر ایک دوسرے کے تابع ہوتے ہیں۔ ایسے جملوں میں اجزائے متصل 'اور'، 'یا'، 'ورنہ' ایسے حروف جنھیں نشان گر کہا جاتا ہے، کے ذریعے باہم جڑے ہوتے ہیں۔ نشان گر کے بغیر بھی مرکب جملے بن سکتے ہیں لیکن ایسا کم ہوتا ہے۔ لسانیاتی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو کسی ایک مرکب جملے میں کئی

تراکیب موجود ہوتی ہیں۔ ان میں سے کچھ تراکیب مکمل مفرد یا مخلوط جملہ بھی ہوسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک جملے 'عدالت پر اُس کا وشواس اُٹھ گیا' کی مندرجہ ذیل تراکیب بن سکتی ہیں:

عدالت پر۔ اُس کا وشواس۔ اُٹھ گیا۔

عدالت پر اُس کا۔ وشواس اُٹھ گیا۔

عدالت پر اُس کا وشواس۔ اُٹھ گیا۔

عدالت پر۔ اُس کا وشواس اُٹھ گیا۔

عدالت پر اُس کا وشواس اُٹھ گیا۔

ایک مرکب جملہ دیکھیے: 'نیائے (انصاف) نہ ملنے سے عدالت پر اُس کا وشواس اُٹھ گیا'۔

اس جملے کے اجزائے متصل یہ ہوں گے۔ 'نیائے نہ ملنے سے' اور 'عدالت پر اُس کا وشواس اُٹھ گیا' اور غور کیجیے تو یہاں نشان گر کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی، جملہ اس کے بغیر ہی مکمل ہے۔ اُردو اور ہندی میں ایسے جملوں کی سیکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

اُردو اور ہندی میں بیانیہ جملوں کے علاوہ حکمیہ جملے جیسے کہ 'اِدھر آؤ' اور 'نہ چھیڑؤ' وغیرہ بھی مشترک ہیں۔

اُردو اور ہندی جملوں کے نحوی عمل پر غور کریں تو اِن میں الفاظ کی ترتیب تو لکیری یا خطی (linear) ہوتی ہے لیکن اُن کے آپسی رشتے ضروری نہیں کہ خطی ہوں۔ کئی دفعہ ترتیب میں دو الفاظ بالکل متصل ہوتے ہیں لیکن اُن کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا اسی طرح بعض اوقات دو الفاظ بہت دُور ہوتے ہوئے بھی آپس میں جڑے ہوتے ہیں۔ جملوں میں الفاظ کی ترتیب دراصل معنی کے ساتھ جڑی ہوئی چیز ہے۔ بولنے والا جملہ بعد میں بولتا ہے اور یہ پہلے سوچتا ہے کہ وہ کون سی بات کہنے کے لیے جملہ بول رہا ہے گویا پہلی سطح مافی الضمیر ہے اور آخری سطح تکلم اور ان دونوں کے درمیانی مختصر عرصے میں جملہ ترتیب پاتا ہے۔ تین الفاظ 'تم'، 'کون' اور 'ہو' کی ترتیب دیکھیے:

تم کون ہو۔ کون ہو تم۔ ہو کون تم۔ تم ہو کون۔

الفاظ کی ترتیب ہر جملے میں بدلنے سے اُس کا مجموعی مفہوم بھی تبدیل ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک اور جملہ دیکھیے:

میں نے ہمت کرکے یہ کام کر ہی ڈالا / تم سرکار کی انومتی کے بنا دیش نہیں چھوڑ سکتے۔

پہلے جملے میں 'میں نے' اور 'کر ہی ڈالا' گو کہ ترتیب کے اعتبار سے دو مختلف انتہاؤں پر موجود ہیں لیکن ان کا آپس میں گہرا رشتہ ہے۔ دوسرے جملے میں مبتدا یعنی 'تم' اور خبر یعنی 'نہیں چھوڑ سکتے' ترتیب میں دُور ہو کر بھی با اعتبارِ معنی جملے میں سب سے قریبی ہیں۔ جملے میں الفاظ کے ربط کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں جیسے معنی کی وجہ سے اسم اور صفت کی قربت مثلاً 'عامر اچھا لڑکا ہے' اور نشان گر کی وجہ سے بھی دو اسما یا ضمائر کا مربوط ہونا مثلاً 'میں اور وہ دوست ہیں' وغیرہ۔ اُردو اور ہندی جملوں کی ترتیب میں عموماً مبتدا پہلے اور اُس کے بعد خبر یہ حصہ آتا ہے جیسے کہ 'راہل چالاک ہے' لیکن اگر مفعول بھی شامل کرنا ہو تو وہ فاعل کے بعد آتا ہے جیسے کہ 'احمد نے پانی پیا'۔ اگر دو افعال ایک متعدی اور دوسرا امدادی لائیں تو متعدی پہلے آئے گا جیسے کہ 'احمد پانی پی رہا ہے'۔ جب کسی بات پر زور دینا یا تاکید کرنا مقصود ہو تو فاعل، مفعول اور فعل کی جگہیں ضرورت کے مطابق تبدیل بھی کر لی جاتی ہیں۔ اُردو اور ہندی کے اسماے صفات جملوں میں اسم سے پہلے آتے ہیں ماسوائے دورانِ گفتگو کسی بات پر زور دینے کے جب صفات کی شکل اسم کی شکل کے مطابق ہوتی ہے جیسے کہ 'وہ اچھا لڑکا ہے' اور 'وہ لڑکی ہے پیاری'۔ علاوہ ازیں دونوں زبانوں کے جملوں میں ندائی لفظ عموماً شروع میں ہی آتا ہے جیسے 'مورکھ! دُور ہٹ'۔ لیکن اگر یہ ترتیب بدل کر ندائی لفظ آخر میں لے جائیں تو پورا جملہ ہی ندائی بن جاتا ہے جیسا کہ 'دُور ہٹ مورکھ!'۔ اسی طرح شرطیہ الفاظ 'اگر' اور 'ورنہ' وغیرہ بھی عموماً شروع میں آتے ہیں۔

اُردو اور ہندی میں انگریزی زبان کی طرح نحوی ترتیب کی اہمیت بہت زیادہ ہے مثلاً ایک جملے 'راہل نے آدتی پر وشواس نہ کیا' میں فاعل یعنی 'راہل' اور مفعول یعنی 'آدتی' کی جگہ باہم تبدیل کر دی جائے تو جملہ 'آدتی نے راہل پر وشواس نہ کیا' بن جائے گا جس کے معنی یکسر مختلف ہوں گے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ نحوی ترتیب کے اصول اور قاعدے نہ صرف اُردو اور ہندی میں یکساں ہیں بلکہ ترتیب اُلٹنے سے جملے پر اثرات بھی ایک ایسے ہی مرتب ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ اردو اور ہندی کے جملوں میں بعض اوقات ایسی تصریفات دیکھنے میں آتی ہیں جن سے دونوں زبانوں کی ساخت الگ ہونے کا شائبہ ہوتا ہے لیکن انھیں چند امتیازی صورتیں ہی سمجھنا چاہیے۔ بحیثیتِ مجموعی جس طرح صرفی

عمل میں دونوں زبانوں میں وحدت موجود ہے اسی طرح نحوی عمل میں بھی یہ وحدت نظر آتی ہے۔

عام بول چال کی اُردو کے دو مختصر اقتباسات دیکھیے:

- میں نے زندگی میں کچھ بھی سوچ کر نہیں کیا، بس جس وقت جو بہتر لگا یا جو حکم ملا اُس کے مطابق چلتا رہا اور کوئی خواہش بھی نہیں جو پوری نہ ہوئی ہو۔

- ایک دفعہ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ ملتان گیا اور پھر وہاں سے ہم لاہور گئے، سارا راستہ وہ مجھے شاعری سناتے رہے، لطیفے سناتے رہے اور گانے گاتے رہے۔ اُن دنوں میری والدہ اور والد کے درمیان کچھ اختلاف تھا اس لیے وہ ساتھ نہیں آئیں۔ ملتان پہنچے تو اباجی کے کسی دوست نے ہمارا استقبال کیا۔ مجھے یاد تو نہیں لیکن اُن کے دوست تھے تو وہ بھی اُن کی طرح کوئی مصنف ہی ہوں گے۔

اب انھی اقتباسات کے ہندی بول چال رُوپ ملاحظہ کریں:

- میں نے جیون میں کچھ بھی سوچ کر نہیں کیا، بس جس سمے جو بہتر لگا یا یا آدیش ملا اُس کے انوسار چلتا رہا اور کوئی اِچھا بھی نہیں جو ادھوری ہو۔

- ایک بار میں اپنے پِتا جی کے ساتھ کولکتہ گئی اور پھر وہاں سے ہم اڈیسہ گئے، پورا راستہ وہ مجھے کویتا سناتے رہے، چٹکلے سناتے رہے اور گیت گاتے رہے۔ اُن دنوں میری ماتا اور پِتا کے بیچ کچھ سنگرش چل رہا تھا اس لیے وہ ساتھ نہ آئیں۔ کولکتہ پہنچے تو پتا جی کے کسی مِتر نے ہمارا سواگت کیا۔ مجھے یاد تو نہیں لیکن اُن کے مِتر تھے تو وہ بھی اُن کے جیسے کوئی لیکھک ہی ہوں گے۔

اسما اور ضمائر کی مختلف حالتوں پر غور کیجیے، افعال کا استعمال، حروف کا استعمال، مطابقت کے اصول اور جملوں کی بناوٹ دیکھیے، دونوں زبانوں کے صرفی اور نحوی ڈھانچے میں مکمل وحدت نظر آتی ہے۔ اُردو اور ہندی کا بول چال رُوپ اپنی قواعدی ساخت اور بنیادی لفظیات کی بنا پر اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ دونوں زبانوں کی ریڑھ کی ہڈی ایک ہے۔ دونوں زبانوں کا ماخذ بھی ایک ہے۔ تاہم دونوں کا ارتقا تاریخ کی اُس منزل پر دو سمتوں میں بٹ گیا جہاں ثقافتی ترجیحات آڑے آ گئیں۔ تہذیبی تفاوت کو تحفظ دینے کا کام انگریز حاکموں نے انجام دیا۔ رسم الخط کو ہتھیار بنایا گیا اور علاحدگی پسند قوتوں نے اس ہتھیار کو اُردو اور ہندی کے مشترک اور صلح جُو نکات کو دبانے کے لیے بھرپور طریقے سے

استعمال کیا۔ اس خطے کی تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ یہاں کے عام باسیوں نے جغرافیائی تقسیم کے باوجود اپنی بول چال کی زبان کو لسانی انتہا پسندی کی نذر نہیں ہونے دیا۔ اُردو اور ہندی کو لسانیاتی اُصولوں کی روشنی میں جب بھی پرکھا جائے گا ان کا مشترک ماخذ، صرف ونحو اور بنیادی ذخیرۂ الفاظ لسانی وحدت کے روشن پہلوؤں کے طور پر واضح نظر آئیں گے۔

حوالہ جات

* لیکچرر، شعبۂ اُردو، بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان۔

۱۔ تبسم کاشمیری، اُردو ادب کی تاریخ: ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص۲۰۔

۲۔ ایضاً، ص۵۱۔

۳۔ گوپی چند نارنگ، ''اُردو اور ہندی کا لسانی اشتراک۔I''، مشمولہ اُردو زبان اور لسانیات (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ص۸۹۔

۴۔ تھامس جارج ٹکر (Thomas George Tucker)، *Introduction to the Natural History of Language* (لندن: بلیکی اینڈ سن لمیٹڈ، ۱۹۰۸ء)، ص۱۰۲۔

۵۔ اقتدار حسین خاں، لسانیات کے بنیادی اُصول (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۵ء)، ص۸۶۔

۶۔ مولوی عبدالحق، قواعدِ اُردو (لکھنؤ: الناظر پریس، ۱۹۱۴ء)، ص۱۸۔۱۹۔

۷۔ گوپی چند نارنگ، ''اُردو اور ہندی کا لسانی اشتراک۔I''، مشمولہ اُردو زبان اور لسانیات، ص۸۴۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ مرزا خلیل احمد بیگ، ایک بھاشا ...... جو مسترد کر دی گئی (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۷ء)، ص۲۴۔

۱۰۔ عبدالستار دلوی، دوزبانیں، دو ادب (باندرہ ممبئی: دائرۃ الادب، ۲۰۰۷ء)، ص۱۱۱۔

۱۱۔ عبدالودود، اُردو سے ہندی تک (کراچی: مجلس فکر و ادب، ۱۹۸۴ء)، ص۱۲۱۔

۱۲۔ گیان چند جین، ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵ء)، ص۱۸۵۔

۱۳۔ بحوالہ: عبدالستار دلوی، ص۲۲۸۔۲۲۹۔

۱۴۔ رام آسرا راز، اُردو اور ہندی کا لسانیاتی رشتہ (نئی دہلی: راز اینڈ سنز، ۱۹۷۵ء)، ص۲۳۴۔

۱۵۔ عبدالستار دلوی، ص۱۴۵۔

۱۶۔ گیان چند جین، ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب، ص۱۸۴۔

۱۷۔ گوپی چند نارنگ، ''اُردو اور ہندی کا لسانی اشتراک۔II''، مشمولہ اُردو زبان اور لسانیات، ص۹۸۔

۱۸۔ امرت رائے (Amrit Rai)، A House Divided: The Origin and Development of Hindi/Hindavi (دہلی: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۱۹۸۴ء)، ص۲۸۶۔

مآخذ

بیگ،مرزا خلیل احمد۔ ایک بھاشا ...... جو مسترد کر دی گئی ۔علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۷ء۔

ٹکر، تھامس جارج (Thomas George Tucker)۔ *Introduction to the Natural History of Language*۔
لندن: بلیکی اینڈ سن لمیٹڈ، ۱۹۰۸ء۔

جین،گیان چند۔ ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۵ء۔

خاں،اقتدار حسین۔ لسانیات کے بنیادی اُصول ۔علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس،۱۹۸۵ء۔

دلوی،عبد الستار۔ دوزبانیں، دو ادب ۔باندرہ ممبئ: دائرۃ الادب، ۲۰۰۷ء۔

رآز،رام آسر۔ اُردو اورہندی کا لسانیاتی رشتہ ۔نئ دہلی: راز اینڈ سنز،۱۹۷۵ء۔

رائے، امرت (Amrit Rai)۔ A House Divided: The Origin and Development of Hindi/Hindavi۔
دہلی: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس،۱۹۸۴ء۔

عبد الحق،مولوی۔ قواعدِ اُردو ۔لکھنؤ: الناظر پریس،۱۹۱۴ء۔

عبد الودود۔ اُردو سے ہندی تک ۔کراچی: مجلس فکر و ادب،۱۹۸۴ء۔

کاشمیری،تبسم ۔ اُردو ادب کی تاریخ:ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک ۔ لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۹ء۔

نارنگ،گوپی چند۔ ''اُردو اورہندی کا لسانی اشتراک۔I''۔مشمولہ اُردو زبان اور لسانیات۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء۔

__________۔''اُردو اورہندی کا لسانی اشتراک۔II''۔مشمولہ اُردو زبان اور لسانیات۔ لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء۔